حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ۱۰۰ قصے

مؤلف

مولانا محمد شعیب سرور

بیت العلوم

۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۸۳-

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

کے

سَو قِصّے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے

سو ۱۰۰ قصے

مؤلف

مولانا محمد شعیب سرور

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۹۳-

کتاب	حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ۱۰۰ قصے
مؤلف	مولانا محمد شعیب سرور
باہتمام	محمد ناظم اشرف
ناشر	بیت العلوم۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
	فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فہرست

مُقَدِّمَة

الحمد للّٰہ و نحمده' و نستعینه' و نستغفره' و نؤمن بہٖ و نتوکّل علیه و نعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا و من سّیات أعمالنا من یّهده اللّٰہ فلا مضل له و من یضلله فلا هادی له' و نشهد ان لا اله الّا اللّٰہ و نشهد انّ سیدنا و سندنا و شفیعنا و مولانا محمدا عبده و رسوله أمابعد: فأعوز بالله من الشیطن الرجیم. بسم الله الرحمن الرحیم:

"انّ المسلمین و المسلمات و المؤمنین والمؤمنات و القٰنتین و القٰنتٰت و الصّٰدقین و الصّٰدقٰت و الصّٰبرین و الصّٰبرٰت و الخٰشعین و الخٰشعٰت و المتصدّقین و المتصدقات والصّآئمین و الصّٰئمٰت والحٰفظین فروجهم الحٰفظٰت والذاکرین اللّٰہ کثیراً وّ الذّٰکرٰت أعدّ اللّٰہ لهم مّغفرة وّ أجراً عظیماً"

(الاحزاب:۳۵)

بعد الحمد و الصلوة:

دین اسلام ابدی صداقتوں اورلافانی حقیقتوں کا حامل دین ہےاس کی ابدی صداقتوں اور لافانی حقیقتوں نے انسانی معاشرے کے ہر ہر گوشے پر اپنے ایسے اَن مٹ اثرات مرتب کیے ہیں کہ جن اثرات کے نتیجے میں انسانی معاشرے کاایک ایک فرد مثالی انسان بن کراشرف المخلوقات کامصداق بنا۔

وجہ یہی تھی کہ تعلیماتِ اسلامیہ نے انسانی تاریخ اور معاشرے کو برائیوں سے پاک کر کے انہیں صراط مستقیم کی راہ دکھلائی، کفر وشرک کی تاریک رات سے توحید ورسالت کا سپیدۂ سحر نمودار کیا، معاشرتی برائیوں مثلاً ظلم وستم، جور و جفا، قتل و غارت، ناانصافی و مفاد پرستی، نفرت وعداوت، بغض وعناد، فحاشی و عریانی، دھوکہ فریب، افراط وتفریط، خودغرضی و

تنگ نظری اور دیگری اخلاقی برائیوں کی بیخ کنی کر کے...... رحم و کرم، محبت والفت، ہمدردی و پاسداری، عدل و انصاف، ایثار و قربانی، شرم و حیا، اعتدال و میانہ روی اور تقویٰ و طہارت کے گلشن آباد کر کے خطۂ ارضی کو ان کی جانفزاں خوشبو سے مہکا دیا۔

چنانچہ جب ہم تاریخ کے جھروکوں میں جھانکتے ہیں تو تاریخ کے اوراق پارینہ ہمارے سامنے کھلنا شروع ہو جاتے ہیں اور ہمارے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ دین اسلام کی انہی ابدی صداقتوں اور لافانی حقیقتوں کی اثر انگیزیوں سے ایسے رجال کار، اور نفوس قدسیہ پیدا ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جن پر انسانیت بھی رشک کرتی ہے اور جن کی عظمت و رفعت اور مرتبہ و تقدس کا دوست و دشمن سبھی نے اقرار کیا۔

دریائے طلب بن جاتا ہے ہر میکش کا پایاب یہاں
ان تشنہ لبوں نے سیکھے ہیں مے نوشی کے آداب یہاں

اور ایسے نفوس قدسیہ کوئی دو چار نہیں تھے بلکہ اسلامی تاریخ کا دامن تو ایسے حضرات سے لبالب بھرا ہوا ہے۔

انہی نفوس قدسیہ میں سے ایک عظیم شخصیت، پانچوے خلیفہ راشد، عمر ثانی، امام عادل سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شخصیت بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو جامع الکمات اور مجموعہ صفات متضاد بنایا تھا جہاں آپؒ نہایت بردبار اور حلیم الطبع انسان تھے، وہاں ظلم و جبر کے محلات کو غیرت ایمانی سے خاکستر کرنا بھی آپؒ کا وصف خاص تھا، اگر آپؒ ہر لحہ خوفِ الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتے تھے تو دوسری طرف اہلِ باطل اور ظالم و جابر لوگوں کے خوف کا شائبہ بھی آپؒ کے پاس پھٹک نہ سکتا تھا، اگر برسر عام، ڈنکے کی چوٹ پر ''اظہار حق وصداقت'' کرنا آپؒ کا طرہ امتیاز تھا تو دوسری جانب آپؒ کا کردار ''اُدعواالی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ'' کا مصداق بھی تھا، اگر آپؒ کمزوروں محتاجوں، بے سہاروں، یتیموں اور بیواؤں کے لئے ریشم سے زیادہ نرم تھے تو آپؒ ساتھ ساتھ راہ حق میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں اور دشمنان اسلام کے لئے فولاد سے زیادہ سخت بھی تھے، اگر آپؒ اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لئے ہر قسم کی تنگی و سختی کو اپنے

چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ سہنے والے تھے تو دوسری طرف آپؒ اتنا ہی اپنی رعایا کے لئے ہر قسم کی آسانی اور سہولت کے تلاش میں کوشاں اور سرگرداں رہتے تھے، آپؒ سے حق بات منوانا جتنا آسان تھا اتنا ہی آپؒ سے ناحق بات منوانا مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

الغرض! حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں اور ان کے صفات وکمالات کے تنوع کے بسبب ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والا انسان آپؒ کے لمحاتِ حیات سے راہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔

ایک مالدار اور صاحب ثروت آپؒ کے جود وسخا سے سیکھ سکتا ہے کہ کیسے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو غریبوں کی مدد، فقراء کی اعانت اور دیگر امور خیر میں خرچ کر کے رضائے الٰہی حاصل کی جاسکتی ہے؟ ایک عالم آپ کے علم وعمل کے مہکتے گلستان سے خوشبو حاصل کرسکتا ہے کہ کیسے وہ اپنے علم کے تقاضوں کو پورا کر کے دنیا وآخرت میں سرخرو ہوسکتا ہے؟ ایک غریب، تنگدست اور پریشانیوں میں گھرا ہوا شخص آپؒ کے مثالی صبر وتحمل کو مدنظر رکھ کر اپنے لئے شاہراہ جنت کو متعین کرسکتا ہے نیز یہ کہ پھر کیسے اس شاہراہ پر گامزن ہو کر صابرین کے دروازے سے خُلدِ بریں میں داخل ہوسکتا ہے؟ ایک شوہر اور خاندان کا سربراہ آپؒ کی ازدواجگی اور خاندانی زندگی کے ایمان افروز لمحات سے یہ درس حاصل کرسکتا ہے کہ مجھے اپنے بیوی بچوں اور خاندان کے افراد کے نان نفقہ سے لیکر اصلاح وتربیت تک کے مراحل کو کیسے طے کرنا ہے؟

ایک حاکمِ وقت آپؒ کے خلافت راشدہ کی نہج پر قائم دور خلافت سے روشنی حاصل کرسکتا ہے کہ ایک حاکم اور خلیفہ وقت کو کن کن صفات سے متصف ہونا چاہئے، اور کیسے امورِ مملکت سرانجام دینے چاہئیں اور کیسے اپنے احکم الحاکمین اور اپنی رعایہ کے حقوق ادا کر کے دنیا وآخرت کی عزت ونجات سے ہمکنار ہوا جاسکتا ہے؟

بحرکیف! یہ تو چند مثالیں تھیں ورنہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی ذات گرامی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق شخص کی راہنمائی اور فلاح وکامرانی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کے سو قصے'' اسی عظیم ہستی کی حیات طیبہ کے

چیدہ چیدہ سنہری اور ایسے ایمان افروز لمحات و واقعات پر مشتمل ہے جو اپنے دامن میں ایمان کی تازگی اور روح کی بالیدگی کے لئے بے پناہ گوہر نایاب سمیٹے ہوئے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان سطور کو دل کی نگاہ سے اور عمل کی نیت سے پڑھا جائے..........!!

اللہ تعالیٰ ہمیں لکھنے اور پڑھنے کے ساتھ ساتھ عملِ صالح کی توفیق بھی عطا فرمائیں اور اس ادنیٰ طالبعلمانہ کاوش کو سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے کسی خلیفہ وقت کے پیدا ہونے کا ذریعہ بنائے (آمین) کہ جس کا مطمعِ نظر یہ ہو:

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لئے نمازی

مقدمہ کے اختتام پر راقم الحروف پہلے اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ جس کی توفیق سے یہ ادنیٰ کاوش منشۂ شہو پر آسکی اور پھر اپنے محسن استاد محترم حضرت مولانا ناظم اشرف صاحب مدظلہم (مدیر بیت العلوم) کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ جن کے ایماء یہ کام شروع کیا گیا اور جن کی دعا اور راہنمائی نے آخری لمحے تک ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ اس سعی حقیر کو قبول فرمائے اور اس کو بندہ کے والدین، اساتذہ کرام اور جملہ احباب و معاونین اور بندہ کے لئے ذریعہ نجات بنائے (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

محمد شعیب سرور
متخصص فی الافتاء
جامعہ اشرفیہ لاہور

مختصر تعارف

﴿حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حالاتِ زندگی﴾

نام ونسب:

آپ کا نام نامی ''عمر'' ہے، کنیت ''ابوحفص'' ہے۔

والد ماجد کی طرف سے سلسلہ نسب کچھ یوں ہے:

''عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب القرشی الاموی۔

جبکہ والدہ ماجدہ کی جانب سے شجرہ نسب کچھ اس طرح ہے:

''ام عاصم بنت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''[۱]

والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ اسی نسبت کی برکت ہے کہ آپؒ پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا گہرا اثر ہے اور آپؒ کی خلافت کے بعد کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اس اثر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

پیدائش:

حضرت عمرؒ کی پیدائش ۶۱ ھ میں ہوئی اور یہی یزید بن معاویہ کی خلافت کا زمانہ ہے اگرچہ بعض حضرات نے سن پیدائش میں اختلاف کیا ہے جیسا کہ علامہ ابن جوزیہؒ نے سن ۶۳ ھ لکھا ہے[۲] لیکن زیادہ معتبر روایت یہی ہے۔[۳]

خاندان قبیلہ:

امیر المومنین سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کا تعلق قریش کی شاخ بنوامیہ سے تھا خاندان قریش عرب کا ایک معزز ترین خاندان تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس خاندان کو بھی عظیم صفات اور صلاحیتیں عطا فرما کر چن لیا تھا۔ جیسا کہ حدیث مبارک ہے:

---

[۱] البدایہ والنہایہ (۹/۲۷۶) سیرۃ ابن جوزیہ ص ۵ [۲] سیرۃ ابن جوزیہ ص ۵ [۳] سیدنا عمر بن عبدالعزیز ص ۵۹

’’اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم سے اسماعیل کو منتخب کیا، اور اولادِ اسماعیل سے کنانہ کو منتخب کیا، اور بنی کنانہ سے قریش کو منتخب کیا‘‘۔[۱]

یہ خاندان اپنی طاقت، عظمت، بے پناہ صلاحیتوں اور ذہانت و فطانت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ جرأت و شجاعت اس کا شعار، عقل و دانش اس کا طرۂ امتیاز اور فہم و فراست اس کا وصفِ خاص تھا۔ جیسا کہ لفظ قریش کے معنی سے ہی ظاہر و باہر ہے۔

یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ بنو امیہ کے ان افراد کو جو اسلام لاتے رہے اپنی خصوصی شفقت و توجہ سے اور خاص عنایات سے نوازتے رہے۔

بچپن کا سنہری دور

جن نفوسِ قدسیہ نے آگے چل کر تاریخِ اسلامی کے ماتھے کا جھومر بننا ہو، قدرت ابتداء ہی سے ان کے اندر غیر معمولی صلاحیت، استعداد اور خصوصیات رکھ دیتی ہے جو ان کے سنہری مستقبل کی غمازی و عکاسی کرتی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے آگے چل ’’عمرِ ثانی‘‘ کا لقب لینا تھا اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھرنا تھا تو قدرتِ الٰہی نے زمانۂ طفولیت سے ہی آپ کے اندر صفاتِ حسنہ اور اوصافِ جمیلہ پیدا فرما دی تھیں چنانچہ جب آپ کو بچپن کے سنہری دور کے جھروکوں سے دیکھا جائے تو حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے۔

آپ کا بچپن عام بچوں سے منفرد اور جدا تھا، بچپن میں ہی دوسروں پر آپ کی قائدانہ صلاحیتیں ابھرنا شروع ہو گئیں تھیں، بچپن جو کہ عام طور پر کھیلنے کودنے کا زمانہ ہوتا ہے آپ کو اسی وقت سے ہی خوفِ آخرت دامن گیر ہو گیا تھا، موت کو یاد کر کے روتے رہتے۔ اسی طرح ایک دفعہ رو رہے تھے، قرآن سینے سے لگایا ہوا تھا والدہ نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا ’’مجھے موت یاد آ گئی تھی‘‘ یہ سن کر والدہ بھی رونے لگیں۔

کبھی آہ لب سے نکل گئی، کبھی اشک آنکھ سے ڈھل گئے
یہ تمہارے غم کے چراغ ہیں، کبھی بجھ گئے، کبھی جل گئے

---

[۱] رواہ مسلم کتاالفضائل باب فضل نسب النبیؐ رقم ۲۲۷۶

پھر یہی ''خوفِ آخرت اور خوفِ خدا'' زندگی بھر آپ کا نگہبان بنا رہا۔

میں دے کے غمِ جاناں کیوں عشرتِ دنیا لوں
غم زیست کا حاصل ہے، اس غم سے مفر کیوں ہو

تعلیم و تربیت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی صحیح نہج پر تعلیم و تربیت میں آپ کے والدین میں سے خصوصاً والد گرامی کا بڑا عمل دخل ہے۔ آپ کے والد آپ کی تعلیم و تربیت کے بارے نہایت سنجیدہ اور فکرمند تھے انہوں نے ابتداء سے ہی اس بطلِ جلیل کی تربیت کا خاص خیال رکھا اور ہر ہر عمل اور عادت اور طور طریقے کی نگرانی کی۔

پھر انہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے مدینہ الرسول ﷺ بھیج دیا، جو اس وقت پوری دنیا کو قرآن و حدیث اور سنت و فقہ کے نور سے منور کر رہا تھا اور مرجع خلائق تھا۔ چنانچہ یہیں آپؒ نے قرآنِ مجید حفظ کیا اور صحابہ کرام اور جلیل القدر تابعین کے علم و عمل سے مہکتے گلستانوں سے خوشہ چینی کی۔ آپ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انس بن مالکؓ، ابوبکر ابن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ کیا اور ان سے احادیث بھی روایت کیں۔

اس زمانے میں محدث صالح بن کیسانؒ جن کو مدینہ طیبہ میں مرکزیت حاصل تھی گورنر عبدالعزیزؒ کے حکم کے مطابق انہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی[۱] علاوہ ازیں آپ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی خاصے متاثر تھے اور ان جیسا بننے کی خواہش کیا کرتے تھے[۲]

عالمِ شباب (خلافت سے پہلے)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بلند پایہ تابعینؒ کے زیر

---

۱ سیرت ابن جوزیہ ص ۹،۸ ۲ سیرۃ الخلیفۃ العادل بن عبدالحکم ص ۳۰

سایہ تربیت پائی پھر جب آپ نے عالم شباب میں قدم رکھا تو ان حضرات کی تربیت اور صحبت کا اثر آپ کا رہنما بنا رہا۔

آپ چونکہ بچپن سے ہی بہت ناز ونعم میں پلے تھے اس لئے خلافت سے پہلے زیبائش، آرائش اور نمائش میں آپکا کوئی ثانی نہیں تھا، یوں لگتا تھا کہ نعمتوں اور زیبائش و آرائش کے ساری قوتیں آپ پر قربان ہونے کے لئے ہاتھ باندھے بے تاب کھڑی ہیں۔ لباس و پوشاک، اکل وشرب، کلام ومکان وغیرہ میں آپکا ذوق نہایت اعلیٰ وارفع تھے۔ جس لباس کو ایک مرتبہ زیب تن فرمالیتے دوبارہ اسے نہ پہنتے، خوشبو وعطر کے استعمال میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ کسی محفل میں بیٹھے ہوتے تو ایسا لگتا جیسے گویا مشک وعنبر میں غسل کر آئے ہیں۔ لوگ آپ کی داڑھی پر عنبر کو یوں بکھرا ہوا دیکھتے جیسے نمک بکھرا ہوا ہو، رباح بن عبیدہ نامی تاجر نے دس دینار میں خالص ریشم کا جبہ لاکر پیش خدمت کیا تو آپ نے اس کو کھردرا کہہ کر رد کر دیا۔ لوگ آپ کی چال ڈھال دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتے اور نوجوان لڑکیاں آپؒ کے ناز وانداز کے چلنے کی نقل کرتیں۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کبھی بھی کسی ایسی برائی میں مبتلا نہ ہوئے جس سے آپ کی ذات یا آپ کے کردار پر کوئی آنچ یا حرف آتا ہو یا کوئی آپ پر طعن کرسکتا ہو[1]

ہم نے بھی راہِ عشق کی طے کی ہیں منزلیں
لیکن بچے ہوئے روشِ عام سے رہے

مدینہ منورہ کی گورنری

خلافت سے پہلے آپ مدینۃ الرسول ﷺ کے گورنر بھی رہے اس زمانے میں آپ کے گورنری کے زمانے میں مسجد نبوی کی ازسرنو تعمیر ہوئی، روضہ نبوی ﷺ کی مرمت کی اور اس کے چاروں طرف دوہری دیوار تعمیر فرمائی۔ اطرافِ مدینہ میں مساجد تعمیر کروائیں، اور کنوؤں اور راستوں کی تعمیر کا بندوبست کیا۔

---

[1] ایضاً ص۳۲

عالمِ شباب (خلافت کے بعد)

اگر چہ خلافت سے پہلے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ صفاتِ حسنہ کے مالک تھے البتہ خلافت کے بعد آپ کے اخلاق حسنہ میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا چنانچہ آپؒ نے خلافت کے منصب پر فائز ہوتے ہی ''خلافت علی منہاج النبوت'' کا آغاز فرمادیا۔ آپ نے گذشتہ خلفاء کی غلطیوں کو دور کیا۔ تمام مغصوبہ جائدادوں اور مال و اسباب کو ان کے اصل مالکوں اور حقداروں تک پہنچایا اور اس کا آغاز اپنے گھر سے اور اپنے خاندان کے افراد کی جائدادیں واپس کر کے کیا، اس سلسلے میں امراء اور سرداروں نے طرح طرح سے رکاوٹیں ڈالنی کی کوشش کی مگر ان کے سارے منصوبے ریت کی دیوار ثابت ہوئے اور رفتہ رفتہ عمر ثانیؒ کے عدل وانصاف کا آفتاب افق کی بلندیوں کو چھونے لگا۔

آپ کو خاندان کی برہمی اور امراء کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا مگر آپؒ کسی چیز کو خاطر میں نہ لائے اور آپ کے انصاف کی بارانِ رحمت ہر خاص و عام پر برستی رہی۔ آپ نے ظالم افسروں کا کو لگام دی۔ ظلم و جبر کا انسداد کیا، بیت المال کی اصلاح کی، قومی خزانے کو محفوظ کیا، عدل وانصاف کے حصول کو آسان ترین کام بنایا، رشوت، بدعنوانی، دھوکہ دہی، اثر ورسوخ کے ناجائز استعمال، اقرباء پروری و مفاد پرستی، قومی خزانے کو شیرِ مادر سمجھنے کے کلچر اور اس جیسی دیگر کرپشن کی گھناؤنی شکلوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور ان کی جگہ شورائیت اور خلافتِ راشدہ کے نظام کو رائج کیا۔ اس طرح آپؒ دینی، سیاسی، اقتصادی، ملی، علمی اور سماجی خدمات کی ایک طویل فہرست تاریخ کے سینے میں رقم کر گئے اور اس طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول سچ ثابت ہوا کہ:

''میری اولاد میں سے ایک شخص دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا''

زمزمے بزمِ چمن کے ہیں ہمارے دم تک
پھر گلستاں میں یہ نغمے نہ سنائی دیں گے

اخلاق و عادات

خلافت سے پہلے اگر چہ سب سے بڑھ کر خوش لباس، خوش مزاج اور خوش کلام تھے لیکن جونہی گلستانِ خلافت میں قدم رکھا، تو دل کی دنیا ایک عظیم انقلاب سے جاگ اٹھی۔ نمائش تو دور کی بات آپ نے زیبائش و آرائش بھی مکمل ترک کر دی اب زندگی کا نقشہ کچھ یوں تھا: ''بقدر ستر پوشی لباس، غذا بقدر لا یموت تھی، ایک دن کا خرچہ صرف دو درہم تھا جسے اہل و عیال پر خرچ فرما دیتے تھے[1] خشیتِ الٰہی و خوف الٰہی سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے، بسا اوقات اسی حالت میں بیہوش ہو کر گر پڑتے، محبتِ رسول ﷺ دل میں جاگزیں ہو چکی تھی، زہد، ورع اور تقویٰ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا جس کا اثر زندگی کے ہر ہر لمحہ پر عیاں تھا، دن خدمتِ مخلوق میں اور راتیں عبادتِ خالق میں بسر ہوتیں اور یادِ الٰہی اور نالۂ نیم شبی سے زندہ رہتیں، آپ نے کتنی ہی راتیں ایسی دیکھیں جن میں آپ کی آنکھوں نے نیند کا سرمہ نہ لگایا، کتنے ہی دن ایسے بیتے جن میں آپ کی کمر کو بستر نصیب نہ ہوا، منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد آپ پر کبھی غسل فرض نہ ہوا، کبھی چہرے پر مسکراہٹ نہ بکھری، ہر لمحہ آخرت کے مناظر پیش نظر رہتے اور آپ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتے رہتے اور اسی کو اپنی زندگی کی ''متاعِ عزیز'' سمجھتے..........!

ذوقِ وفا سے کوئی یہاں آشنا نہیں
ورنہ خوشی میں بات ہے کیا؟ غم میں کیا نہیں

''حق گوئی'' کی صفت بھی آپ کو اپنے جدّ امجد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ورثہ میں ملی تھی، آپ حق بات کہنے میں بڑے سے بڑے حاکم وقت کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے، لیکن اسلوبِ بیان اور سمجھانے کا انداز نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ ہوتا تھا، ان صفات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عاجزی و انکساری اور حسنِ اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ عاجزی کا یہ حال تھا کہ عام بندہ محفل میں آتا تو پہچان نہ سکتا کہ امیر المومنین کون

---

[1] سیرۃ الخلیفۃ العادل ابن عبد الحکم ص ۱۵۸

ہیں؟ اور حسن اخلاق ایسا کہ اپنے کسی جانثار خادم یا خادمہ کے آرام میں خلل ڈالنا بھی برداشت نہ تھا.........! بلکہ ایسی صورت میں آپؒ اٹھ کر اپنا کام خود کر لیتے اور خدمت گذاروں کے آرام میں خلل نہ آنے دیتے۔

؎ تمام عمر اسی احتیاط میں گذری
یہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

خدماتِ جلیلہ

جہاں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے بحیثیت خلیفہ وحکمران اپنی ذمہ داریوں کو بطریقہ احسن واتم انجام دیا اسی طرح آپ نے بحیثیت ایک مومن کامل ہونے کے خدمات دینیہ میں بھی تجدیدی کارنامے سرانجام دیئے۔ اس سلسلے کی ایک کڑی آپؒ کی خدمت حدیث بھی ہے اور حدیث کے باب میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ "تدوین حدیث" ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر آپ تدوین کا مناسب بندوبست نہ فرماتے تو حدیث نبوی ﷺ کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جاتا اور امت محمدیہ (علی صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیما) اس بیش بہا دولت سے محروم ہو جاتی۔

اسی طرح آپ نے فقہ اسلامی کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور اس کی اشاعت کا بھی بھرپور انتظام وانصرام فرمایا۔ علامہ مزیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ خود نہایت ثقہ اور کامل درجہ کے فقیہ تھے اور علم وتقوی میں یگانۂ روزگار تھے اور بے شمار احادیث مبارکہ کے راوی بھی ہیں[۱]

یہی وجہ تھی کہ آپ اشاعت دین میں مخلص ہونے کی بناء پر علماء صلحاء اور فقہاء کرام رحمھم اللہ کی بہت زیادہ عزت وتوقیر اور حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے، جبکہ شعرا، بے عمل روایتی خطباء، اور حرصِ دنیا کی غرض سے حاضر ہونے والے ادباء کے ادبی شہ پارے آپ کے سامنے دھرے کے دھرے رہ جاتے وہ اپنا سامنہ لے کر اور زبانوں پر یہ جملہ لئے مایوس واپس لوٹ جاتے کہ: "یہ شخص شعراء کو نہیں فقراء کو دیتا ہے"۔

---

۱ تہذیب الکمال (۶/۲۱ ۴۴۳) بحوالہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۵۴

فضائل ومناقب

''اِنّ اکرمکم عند الله اتقکم''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے''۔اس آیت مبارکہ کی روشنی میں آپکی فضیلت ومنقبت نکھر کا سامنے آجاتی ہے کیونکہ ''تقویٰ''اور''خوفِ الٰہی'' آپ کا سب سے نمایاں وصف تھا۔

علاوہ ازیں! آپکا شمار علمی دنیا کی عظیم المرتبت ہستیوں اور آئمہ میں ہوتا ہے، حافظ ذہبیؒ آپؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''الامام الحافظ العلامه المجتهد العابد السيد''[1]

''امام،حافظ،علامہ،مجتہد،عبادتگذار اور سردار''

علامہ مزیؒ رقمطراز ہیں:

''الامام العادل و الخليفة الصالح و كان من آئمة العدل و اهل الدين و الفضل.[2]

''آپ امام عادل، نیک خلیفہ اور عادل آئمہ اور اہل دین و اہل فضل میں سے تھے''

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''ان کی جلالتِ علمی ،فضیلت، صلاح، زہد و ورع، عدل و انصاف، مسلمانوں پر شفقت، حسن سیرت، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان تھک جدوجہد کرنے والا ہونے، سنت نبوی ﷺ اور آثار کا متبع ہونے اور خلفائے راشدین کی اقتداء کرنے میں سب کا اتفاق ہے''[3]

اسی طرح اسماء الرجال کی تمام کتب معتبرہ آپ کی عظمت وشان کے گن گا رہی ہیں۔

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے............!

اس جہانِ فانی میں کوئی صدا رہنے کے لئے نہیں آیا، ہر ایک کو اپنے مقررہ وقت پر۔

---

[1] اعلام النبلاء (۱۱۴/۵) [2] تہذیب الکمال بحوالہ سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ

[3] تہذیب الاسماء (۱۷/۱) بحوالہ ایضاً

اس جہاں سے اس جہاں کی طرف رختِ سفر باندھنا ہے جس جہاں کو سنوارنے کے لئے اس جہاں کی حیاتِ چند روزہ دی گئی ہے۔ سیدنا حضرت عمر رحمہ اللہ نے بھی جب اس جہاں کو خیر باد کہہ کر اپنے حقیقی رب سے ملاقات کا سفر شروع تو اس شان سے آغاز سفر ہوا کہ قرآن پاک کی آیت کریمہ[1] سے زبان معطر تھی اگرچہ تاریخ آپ ابھی کی ایمان افروز داستان سنہری حروف سے رقم کررہی تھی مگر آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے............!

(اِنّا لِلّٰہ و انّا الیہ راجعون)

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہم ہی سو گئے، داستان کہتے کہتے

آپ دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن دیگر حکمرانوں اور نامیوں کی طرح آپکا نام نہیں مٹا اور انشاء اللہ تا قیامِ قیامت دنیا آپ کو یاد کرتی رہے گی اور آپ کی خراجِ تحسین پیش کرتی رہے گی اور یوں آپکی یادوں کا گلستان بھی مہکتار ہے گا......!

کلیوں کو خونِ جگر دے کر چلا ہوں
برسوں دنیا مجھے یاد کرے گی

دیوانے گذر جائیں گے ہر منزلِ غم سے
حیرت سے زمانہ انہیں تکتا رہے گا

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

آیئے سیدنا حضرت عمر رحمہ اللہ کی اسی ایمان افروز داستانِ حیات میں سے چیدہ چیدہ واقعات کے مطالعہ سے اپنی روح کو بالیدگی اور ایمان کو تازگی بخشتے ہیں۔

---

[1] القصص/۸۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ۱۰۰ قصے

(قصہ ۱) سیدنا عمرؓ کے خواب کی تعبیر

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خواب دیکھا، خواب دیکھتے ہی آپ بیدار ہوئے تو پوچھا گیا کہ آپ نے کیا خواب دیکھا ہے؟ فرمایا: میری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، خواب دیکھنے کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے: کون ہے جو میری اولاد میں سے ''اشج'' (زخمی) ہوگا۔ آپؓ کے گھر والوں نے یہ خواب سنا تو انہیں خوشی ومسرت ہوئی لیکن اس کی تعبیر سمجھ نہ آئی، مگر وہ تعبیر کا انتظار کرتے رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اکثر اپنے والد کا یہ قول دہراتے رہتے تھے کہ: کاش مجھے معلوم ہوتا کہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد میں وہ کون ہے جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا اور وہ میری سیرت اپنائے گا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا''۔

زمانے کی گردش جاری رہی، انقلاباتِ دہر رونما ہوتے رہے، شب وروز گزرتے گئے، خواب دیکھنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جامِ شہادت نوش فرما گئے لیکن آپ کی یہ بات زبان بہ زبان نقل ہوتی چلی گئی۔

عمر بن عبدالعزیزؒ ابھی بچپن کے سنہری دور میں ہی تھے کہ اپنے والد سے ملنے مصر گئے۔ جب حلوان پہنچے تو اپنی عادت کے مطابق اٹھلا اٹھلا کر چل رہے تھے۔ سیر کرتے کرتے دونوں گھوڑوں کے اصطبل تک پہنچ گئے۔ ساتھ ان کے اخیافی بھائی اصبغ بھی سیر کر رہے تھے۔ عمرؒ بے خبر ہوکر گھوڑوں کے پیچھے سے گزر رہے تھے کہ ایک خچر نے آپ کو دولتی ماردی جو آپکی پیشانی پر پڑی، پیشانی سے خون کا فوارہ نکلا اور ایک گہرا زخم ہوگیا۔ اصبغ نے

خون ابلتے دیکھا تو بجائے پریشان ہونے کے بجائے ہنسنے لگے۔اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا ''اللہ اکبر! یہ بنی مروان کا اشج ہے۔ جو حکمران ہوگا''۔ گویا آپؒ کے بھائی نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے خواب کی تعبیر بتادی۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کی پیشانی خون سے شرابور تھی۔ زخم کی گہرائی سخت تکلیف دہ تھی۔اور آپؒ رو رہے تھے لیکن اصبغ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی وہ برابر ہنس رہے تھے اور چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے تھے کہ میرا یہ بھائی بنو مروان کا اشج ہے عمرؒ میں سیدنا فاروق اعظمؓ کی جھلکیاں تو سب گھر والوں کو پہلے ہی نظر آ رہی تھیں لیکن جب آپ زخمی ہو گئے تو اصبغ سے صبر نہ ہوسکا اور وہ ظہور تعبیر کے یقین کی وجہ سے ہنستے ہوئے اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے خواب کی تعبیر کے ظہور کا اعلان کررہے تھے۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میرا بھائی کیوں خوش ہے اور چیخ چیخ کر اللہ اکبر کے نعرہ کیوں لگا رہا ہے۔ جونہی یہ خبر آپ کی والدہ ام عاصم کو ملی، تو وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی آئیں اور اپنے نور نظر کو سینے سے چمٹا لیا، چہرے سے خون کو صاف کیا، بچے کو تسلی دی۔ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا لیکن پھر جب انہیں پتہ چلا کہ میرے بچے کی چوٹ پر اس کا بڑا بھائی ہنس رہا ہے تو سخت پریشان ہوئیں اور اپنے شوہر عبدالعزیزؒ سے اصبغ کی شکایت کی اور خود بھی اصبغ کو ڈانٹا کہ تم میرے لختِ جگر کو اصطبل کیوں لے گئے اور پھر جب وہ خچر کی دولتی سے زخمی ہوا تو اس پر برابر کیوں ہنس رہے تھے؟ عبدالعزیز بھی بیوی کی شکایت سن کر پہلے تو اپنے لخت جگر عمرؒ کی پیشانی سے خون پونچھنے لگے اور پھر اصبغ پر ناراض ہونے لگے۔ یہ تمہارا چھوٹا بھائی تھا۔اس کی پیشانی لہولہان ہوگئی اور وہ تکلیف سے رونے لگا اور تم اس کی تکلیف سے خوش ہو کر نعرے لگاتے رہے، اور ہنستے رہے۔ ہنسنے کا یہ کون سا موقع تھا؟ اصبغ نے باپ کی ڈانٹ سن کر یہ کہا: ابا! یہ بات نہیں، مجھے اس وجہ سے ہنسی نہیں آئی کہ میرا بھائی گرا اور اس کی تکلیف سے خوش ہوا، بلکہ میں خوش اس وجہ سے ہوا کہ میں اپنے اس بھائی میں زخم کے نشان کے علاوہ وہ تمام علامتیں دیکھتا تھا۔ جو خواب میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے دیکھی تھیں۔ پھر جب یہ گر کر زخمی ہوگیا تو مجھے اس زخم سے خوشی اور مسرت ہوئی کیونکہ اس میں تمام علامات مکمل ہوگئیں تھیں

اور اللہ کی قسم! یہ بنوامیہ کے اشج ہیں۔ اصبغ کی یہ بات سن کر عبدالعزیزؒ خاموش ہو گئے اور آپ کے زخم کو دوبارہ نہایت غور سے دیکھنے لگے۔ پھر اپنی بیوی ام عاصم سے کہا: دیکھو تمہارا بیٹا بنو مروان کا اشج ہے اور واقعی اس کی پیشانی سے سعادت جھلکتی ہے۔ اس زخم کی وجہ سے لوگ عمرؒ کو اشج بنی مروان کہنے لگے اور امرائے بنی امیہ عموماً اور عبدالملک کے فرزند خصوصاً اس علامت کیوجہ سے آپ کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے۔ لیکن روایات میں ہے کہ عبدالملک بن مروان اپنے اس بھتیجے کو بچپن ہی سے نہایت محبت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اپنے قریب بٹھاتے، اور آپ کے سر پر دست شفقت پھیرا کرتے تھے اور جب کبھی کوئی ان کی بات پر اعتراض کرتا تو فرماتے ''تمہیں کیا پتہ کہ اس بچے کا کیا مقام ہے یہ سریر آرائے خلافت ہوگا۔ کیونکہ یہ اشج بنی مروان ہیں اور سیدنا فاروق اعظمؓ کے خواب کی تعبیر ہے کہ جب زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی، تو یہ اسے عدل و انصاف سے بھر لے گا پھر میں اس کو مقرب اور محبوب کیوں نہ بناؤں [1]

(قصہ ۲) ﴿والد کی آغوشِ تربیت میں﴾

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نماز میں دیر کر دی اور جماعت ہونے کے بعد مسجد میں تشریف لائے آپؒ کے استاد صالح بن کیسانؒ نے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے جواب دیا: ''بال سنوارنے میں دیر ہوگئی تھی'' شاگرد کے جواب نے استاد کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور وہ سمجھے کہ شاگرد کے دل میں بالوں کی اہمیت نماز باجماعت کی اہمیت سے زیادہ ہے کیونکہ بالوں کی آرائش میں شغف کو نماز پر ترجیح دی گئی ہے۔

چنانچہ انہوں نے فوراً عمر (رحمۃ اللہ علیہ) کے والد ماجد عبدالعزیزؒ کو یہ واقعہ اور شاگرد کا یہ جواب لکھ کر بھیجا۔ انہوں نے فوری طور پر ایک شخص روانہ کیا جس نے مدینہ میں داخل ہوتے ساتھ ہی سب سے پہلے حضرت عمر (رحمۃ اللہ علیہ) کے بال مونڈھے اور بعد میں کسی سے بات کی۔ [2]

---

[1] سیرۃ ابن جوزی، الخلیفۃ العادل عمر بن عبدالعزیزؒ لابن عبدالحکم ص ۳۰، ۳۱

[2] سیر اعلام النبلاء (۵/۱۱۶)، سیرۃ ابن الجوزی ۹، البدایہ والنہایہ (۹/۹۳)

اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؒ کے والد ماجد نے بچپن ہی سے کس ذمہ داری اور اہتمام کے ساتھ فرزند ارجمند کی تربیت فرمائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ والد کی تربیت اور دیگر خارجی واقعات نے آپ کو امت کے جلیل القدر اور نامور نفوس قدسیہ میں شامل فرما دیا تھا۔

(قصہ۳) ﴿تحصیلِ علم اور رشتۂ ازواج﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا لڑکپن کا زمانہ تھا۔ باپ بیٹے کو شدید محبت کرنے کے باوجود مصر سے مدینہ منورہ تحصیل علم کے لیے بھیجنا چاہتا تھا۔ بیٹے کو بھی باپ کے ارادے کا علم ہو گیا۔ انہوں نے والد سے پوچھا: ''اس کے علاوہ آپ کی کوئی اور خواہش ہے؟ باپ نے جواب دیا: اور تو کوئی خواہش نہیں، بس یہی آرزو ہے کہ تو مدینہ منورہ جائے اور وہاں کے علماء وفقہاء سے علم حاصل کرے، ان سے زمانے میں رہنے کے آداب سیکھے، امید ہے کہ یہ بات تیرے اور میرے دونوں کے لیے مفید اور نفع بخش ثابت ہوگی.........!

بیٹا باپ کے ان جذبات کو سن کر مدین کی طرف چل پڑا اور عنفوانِ شباب ہی میں علم و دانش اور حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کر لی۔ اسی اثنا میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تو ان کے تایا عبدالملک بن مروان نے ان کی طرف ایک آدمی بھیجا اور انہیں اپنے بچوں میں شامل کر لیا اور بعد میں اپنی بیٹی فاطمہ کو ان کے حبالۂ عقد میں دے دیا جن کی شان کے بارے میں کسی شاعر نے یہ کہا تھا:

بنت الخليفة، و الخليفة جدها
اخت الخلفاء، و الخليفة زوجها

''یعنی وہ ایک خلیفہ کی بیٹی تھی اور اس کا دادا بھی خلیفہ تھا، وہ خلفاء کی بہن تھی اور اس کا شوہر بھی خلیفہ تھا''[1]

---

[1] سیر اعلام النبلاء (۱۱۷/۵) البدایہ والنہایہ (۱۹۳/۹)

(قصہ۴) استاد و شاگرد کا روحانی تعلق

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک استاد عبید اللہ بن عبداللہ رحمہ اللہ تھے۔ آپؒ کو ان سے بڑی محبت و عقیدت تھی اور آپؒ ان کو سب پر ترجیح دیتے تھے اور ان کی مجلس میں کثرت سے آتے جاتے تھے کیونکہ آپ علم کا ایک بے پایاں سمندر تھے۔ اس استاد کا اثر آپ پر پوری زندگی رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنی اہلیہ سے فرمایا: جب مجھے غصہ آتا ہے تو گویا میں اپنے سامنے اپنے استاد عبید اللہ کو کھڑا پاتا ہوں کہ وہ مجھ سے مخاطب ہیں اور مجھے غصہ سے منع فرمارہے ہیں[1]

(قصہ۵) شہر نبویؐ میں تربیت

حضرت عمرؒ کے والد حضرت عبدالعزیزؒ مصر کے گورنر تھے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ ام عاصم کو لکھا کہ اپنے بیٹے عمر کو اپنے ساتھ لے کر حلوان مصر آجاؤ۔ انہوں نے اپنے تایا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ انہوں نے فرمایا: تم مصر چلی جاؤ اور عمر کو یہیں مدینہ میں رہنے دو تاکہ اسے مدینہ کی پر فضا علمی آب و ہوا میں تعلیم و تربیت کے دولت سے مالا مال کیا جاسکے۔ چونکہ حضرت عمرؒ اپنے نانا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مشابہت کی وجہ سے آل خطاب کی محبت و شفقت کا مرکز تھے۔ اس لئے ام عاصم اپنے بیٹے عمر کو مدینہ منورہ میں چھوڑ کر حلوان مصر چلی گئیں۔ جب وہ مصر پہنچیں تو عبدالعزیزؒ نے ان سے پوچھا: عمر کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں اسے تعلیم و تربیت کے لیے مدینہ کی خوشگوار علمی فضا میں چھوڑ آئی ہوں۔ اس سے عبدالعزیز کو بڑی خوشی ہوئی کہ میرا بیٹا اپنے ماموؤں کے سایۂ عاطفت و شفقت میں تعلیم و تربیت حاصل کرے گا۔

چنانچہ عبدالعزیزؒ نے خود بھی فوری طور پر اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دی اور اپنے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو بھی دمشق میں اس بارے میں ایک خط لکھا۔ خط پڑھ کر

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ

عبدالملک کو بہت خوشی ہوئی۔ اس نے اپنے بھتیجے کی تعلیم تربیت کے لیے ایک ہزار دینار وظیفہ ماہانہ جاری کر دیا۔ الغرض عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعلیم و تربیت مدینہ طیبہ کی علمی فضا اور ماحول میں جود و کرم کے نعمت کدوں اور چچاؤں کے مال و دولت اور ماموؤں کی شفقتوں کے زیر سایہ ہوئی۔[1]

(قصہ ۶) ﴿شیشے سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر﴾

آپ کے مزاج کی حدت و شدت آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔ آپ کے غلام بھی آپ کے غصہ و ناراضگی سے سہمے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے عنفوانِ شباب میں اپنے ایک غلام کو مارا تو غلام نے دل میں ارادہ کیا کہ آپ کے مزاج کی تیزی کو ختم کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک روز اس نے اس وقت جب کہ آپ خوشگوار موڈ میں تھے آپ سے پوچھا: ''آپ نے کبھی کوئی ایسا قصور کیا ہے جس سے آپ کا آقا آپ سے ناراض ہو گیا ہو اور آپ کو فوری سزا دی ہو؟'' انہوں نے کہا: نہیں۔ غلام نے کہا: پھر آپ نے مجھے کیوں فوری سزا دی جب کہ آپ کو فوراً سزا نہیں دی گئی۔ یہ جملہ سن کر آپ نادم ہوئے، قلب پر رقت طاری ہو گئی اور غلام سے فرمایا: ''جا تو اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے''۔[2]

(قصہ ۷) ﴿کوئی محفل ہو اس کو ہم تیری محفل سمجھتے ہیں﴾

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے ساتھ سفر میں تھے۔ کچھ ساتھیوں کے سامان پیچھے رہ گئے اس وجہ سے شاہی سواری پیچھے ٹھہر گئی۔ جن کے سامان روانہ ہو چکے تھے وہ آ رہے تھے لیکن جن کے سامان روانہ نہیں ہوئے تھے ان کے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ بس اتنی سی بات پر حضرت عمرؒ کو آخرت یاد آ گئی اور آپ فرطِ تاثر سے رو پڑے۔

خلیفہ عبدالملک نے رونے کا سبب پوچھا؟ تو فرمایا:

''کل قیامت کے روز بھی ایسا ہی ہوگا جس نے یہاں سے کچھ (عمل صالح) بھیجا ہوگا تو اسے تو وہاں (اچھا بدلہ) ملے گا اور جس نے نہ بھیجا ہو گا وہ محروم رہے گا''۔[3]

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ [2] ایضاً [3] الخلیفہ العادل لابن عبدالحکم ص ۳۴

بس اسی فکر نے ان کی دنیا تبدیل کر دی تھی اور پھر موت تک آخرت کی یاد سامنے رہی۔

پسِ پردہ تجھے ہر بزم میں شامل سمجھتے ہیں
کوئی محفل ہو اس کو ہم تیری محفل سمجھتے ہیں

(قصہ ۸) ﴿حضرت عمرؒ اور مدینہ کی گورنری﴾

جس شخص کی نہاد ذہنی آخرت رخی زندگی ہو وہ حکومت کے عہدہ کو کیسے قبول کرے گا۔ لہٰذا بحیثیت گورنر مقرری کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ نہیں جا رہے تھے ولید نے حاجب سے پوچھا: عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیوں نہیں جا رہے؟ اس نے کہا ''ان کی کچھ شرائط ہیں جب تک وہ پوری نہ ہوں وہ اپنے عہدہ کا چارج نہیں لیں گے۔ ولید نے آپ کو بلایا اور پوچھا تو آپؒ نے فرمایا: ''مجھے پہلے گورنروں کی طرح ظلم پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ولید نے ان کی یہ شرط فوری طور پر منظور کرتے ہوئے کہا: ''تم حق پر عمل کرنا خواہ ایک درہم بھی شاہی خزانہ میں نہ آئے''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جونہی گورنر کی حیثیت سے مدینہ منورہ پہنچے تو سب سے پہلا کام جو آپ نے یہاں کیا، وہ یہ تھا کہ وہاں کے دس بڑے فقہاء اور علماء کو اپنے پاس بلایا۔ ان علماء کے نام یہ ہیں: عروہ بن زبیرؒ، عبیداللہ بن عبداللہؒ، سلیمان بن یسارؒ، قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ، سالم بن عبداللہؒ، خارجہ بن زیدؒ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہؒ عبداللہ بن عامر بن ربیعہؒ، سعید بن مسیّب۔ (رحمہم اللہ اجمعین)

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے: کہ نماز ظہر پڑھ کر ان کو بلایا اور ان سے ایک مختصر سا خطاب کیا۔ جس میں آپؒ نے فرمایا: ''میں نے آپ حضرات کو ایک ایسے کام کے لیے بلایا ہے جس میں ایک تو آپ ماجور ہوں گے اور دوسرے آپ کو حق کا ساتھی ہونے کا انعام ملے گا۔ میں آپ حضرات سے مشورہ کیے بغیر کوئی کام نہیں کرنا چاہتا لہٰذا آپ کے ذمہ لازم ہے کہ جب آپ حضرات کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ کو کسی عامل کے ظلم کی اطلاع ملے تو میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس کی ضرور مجھے اطلاع دیں۔ ایک گورنر کے منہ سے

یہ کلمات سن کر ان حضرات کو حیرانگی بھی ہوئی اور خوشی اور مسرت بھی، کیونکہ انہوں نے آج تک کسی گورنر کے منہ سے ایسی بات نہیں سنی تھی۔ لہٰذا یہ فقہاء رحمھم اللہ حضرت عمر رحمہ اللہ کو دعائیں دیتے ہوئے واپس اپنے گھروں کو چلے گئے[1]

(قصہ ۹) ﴿حضرت عمرؒ کا علماء سے راہنمائی لینا﴾

ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ آپ نے اس زمانہ میں کئی حج بھی کیے اور سب سے پہلا حج آپ نے ۸۹ھ میں کیا۔

سہیل بن ابی صالح کا بیان ہے کہ عرفہ کی صبح میں اپنے والد کے ساتھ عرفات میں کھڑا تھا اور سیدنا عمر ثانیؒ امیر الحج تھے۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جونہی میں نے انہیں دیکھا تو میں نے اپنے والد سے کہا کہ جب بھی کوئی شخص انہیں دیکھتا ہے تو اس کے دل میں ان کی محبت پیوست ہو جاتی ہے اور آپ نے تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں پس تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضرت عمرؒ نے ان علماء کو اس لیے بلایا تھا کہ یہ آپؒ کی حکومتی معاملات میں اعانت کریں اور انہیں صحیح مشورہ دیں۔ چنانچہ علماء مجلس شوریٰ میں آ کر بیٹھ جاتے۔ حضرت عمرؒ انہیں اپنے عزائم سے آگاہ کرتے اور فرماتے کہ میں آپ سب حضرات کے مشورہ کے بعد ہی کسی کام کا فیصلہ کر سکتا ہوں لہٰذا آپ حضرات مظالم کی چھان بین کریں[2]

(قصہ ۱۰) ﴿مسجدِ نبویؐ کی توسیع اور ولید کی آمد﴾

سن ۹۰ھ میں جب مسجد نبوی کی توسیع کا کام مکمل ہوگیا تو سنہ ۹۱ھ میں ولید نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور اپنی آمد کے بارے میں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کو آگاہ کیا۔ جب ولید حج کے لیے دمشق سے نکلا تو حضرت عمرؒ ایک عظیم الشان جلوس کے ساتھ خلیفہ کے استقبال

---

[1] سیر اعلام النبلاء جلد ۵ ص ۱۱۸، طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۲۴۶، البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۱۹۴، تہذیب الکمال جلد ۲۱ ص ۴۳۹

[2] سیر اعلام النبلاء (۵/۱۱۹)

کے لیے روانہ ہوئے۔اس جلوس میں مدینہ منورہ کے اکابر میں سے بیس حضرات شامل تھے۔ اس جلوس میں اونٹوں اور گھوڑوں پر لدا ہوا کافی سامان بھی تھا۔یہ جلوس سویدا تک گیا۔

خلیفہ مسلمین سواری پر تھے۔خلفاء کے آداب میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اگر لوگ خلیفہ کی آمد کے وقت سوار ہوں تو خلیفہ کو دیکھ کر وہ سواریوں سے اتر جائیں اور اگر بیٹھے ہوں تو کھڑے ہو جائیں لیکن اس جلوس کے لوگ خلیفہ کو دیکھ کر اپنی سواریوں سے نہ اترے۔

پھر ولید نے گورنر مدینہ حضرت عمر رحمہ اللہ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے ساتھ چلتا رہا حتی کہ ذی خشب میں جو مدینہ منورہ سے ایک دن کے فاصلے پر واقعہ ہے اتر گیا۔[1]

(قصہ ۱۱) ﴿ گورنری سے معزولی ﴾

سنہ ۹۳ میں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ گورنری کے عہدے سے معزولی کے بعد اپنے ایک غلام مزاحم کے ساتھ رات کی تاریکی میں مدینہ طیبہ سے دمشق جانے کا ارادہ لیکر نکلے۔اس وقت اگرچہ پورا مدینہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا لیکن مدینہ اور مکہ کا یہ سابقہ گورنر جس کا سامان تیس اونٹوں پر مدینہ منورہ گیا تھا، اب صرف ایک غلام مزاحم کے ساتھ مدینہ سے نکلا تاکہ اس کے نکلنے کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ مدینہ سے نکلتے وقت انہیں دو احادیث نبوی ﷺ یاد آئیں۔ایک یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ کوئی مدینہ سے نہیں نکلے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے بہترین جگہ دے گا یا اس کے مثل دے گا۔اور دوسری حدیث یہ ذہن میں آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ مدینہ بھٹی کی طرح ہے کہ وہ میل کچیل اور گندگی نکال باہر کرتا ہے۔آپ نے نہایت بے چینی کی حالت میں اپنے غلام مزاحم سے فرمایا: مزاحم ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں ہم ان میں سے نہ ہوں جن کو مدینہ نکال باہر کرتا ہے''۔[2]

---

[1] سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ　　[2] طبری (۵۶/۵)

(قصہ ۱۲) حاکم وقت "ولید" کو نصیحت

حضرت عمرؒ دارالخلافت دمشق میں ولید کی مجلسِ شوری کے رکن مقرر ہو گئے تھے چنانچہ اب حالت یہ تھی کہ آپؒ کو جب بھی موقع ملتا تو آپ ولید کو اس کے عمال و حکام کے سلسلہ میں آڑے ہاتھوں لیتے اور "الدین النصیحہ" کے طور پر اس کی خیر خواہی کرتے ہوئے اس کو بعض دفعہ ڈانٹ بھی دیتے۔

چنانچہ ایک روز ولید سے فرمایا: "امیرالمومنین! میں آپ کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں لہٰذا جب آپ خلافت کے کام سے مکمل طور پر سکون و اطمینان کی حالت میں ہوں تو آپ مجھ سے وہ نصیحت معلوم کریں۔ ولید نے پوچھا۔ اس وقت اس نصیحت سے کونسی شے مانع ہے۔ فرمایا: مانع تو کچھ نہیں لیکن آپ کا قلب چونکہ اس وقت سکون سے عاری ہے۔ لہٰذا آپ اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ اس کو سن نہیں پائیں گے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ایک روز سیدنا عمرؒ شامیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے تو ولید نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا: "ابوحفص! آپ وہ نصیحت فرمائیں۔ سیدنا عمر نے فرمایا: امیرالمومنین! سنیے! اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ناحق خون بہانا ہے۔ آپ کے گورنر اور امراء لوگوں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں اور آپ کو اس کا سچا جھوٹا جرم لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس گناہ عظیم کے بارے میں آپ ہی سے باز پرس کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں پکڑ آپ ہی ہوگی کیونکہ آپ نے انہیں گورنر مقرر کیا ہے۔ لہٰذا آپ انہیں لکھ دیں کہ کوئی گورنر کسی کو قتل نہ کرے جب تک کہ اس جرم کی آپ کو اطلاع نہ دی جائے اور پھر اس کے اس جرم پر شرعی شہادت پیش نہ کی جائے۔ پھر آپ خود اس کے بارے میں اپنا حکم صادر فرمائیں کہ وہ واجب القتل ہے یا نہیں۔ بات درست تھی۔ لیکن نازک مزاج شاہان تابِ سخن ندارد کے اصول کے تحت ولید کو غصہ تو بہت آیا لیکن وہ اپنا غصہ پی گیا اور بولا "ابوحفص! اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی برکات نچھاور فرمائے۔"[1]

---

[1] الخلیفہ العادل عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم ص ۱۳۷

(قصہ ۱۳) ﴿اعلانِ حق کا عجیب واقعہ﴾

حضرت عمرؒ کے ولید کو نصیحت کرنے کے بعد ایک دن عین دوپہر کے وقت ولید نے خلافِ معمول حضرت عمرؒ کو بلوالیا۔ جب وہ ولید کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ خلیفہ کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے ہیں۔ ولید نے اشارہ کر کے انہیں اپنے قریب بٹھایا۔ حضرت عمرؒ نے دیکھا کہ ایک بے رحم جلاد خالد بن ریان برہنہ تلوار لے کر ولید کے پاس کھڑا ہے۔ پھر ولید نے اس خارجی سے پوچھا جس کو حجاج نے ولید کے دربار میں بھیجا تھا کہ فلاں فلاں خلیفہ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ خارجی نے ان خلفاء کی مذمت کرنا شروع کردی پھر ولید نے اپنے بارے میں پوچھا کہ تمہاری میرے بارے میں کیا رائے ہے؟ اس خارجی نے صاف جواب دیا تو ایک ظالم اور ستم گر شخص ہے۔ اللہ تجھ پر لعنت کرے۔ ولید نے اسی وقت جلاد خالد بن ریان کو حکم دیا کہ اس کا سر اس کے جسم سے جدا کردیا جائے۔ جلاد نے اسی وقت حکم کی تعمیل کی۔

اب ولید نے حضرت عمرؒ سے پوچھا: جو لوگ خلفاء کو گالیاں دیتے ہیں ان کو قتل کرنا چاہئے یا نہیں؟ آپؒ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ولید کے دو تین دفعہ پوچھنے پر بھی آپ خاموش رہے۔ جب ولید نے بار بار پوچھا تو حضرت عمرؒ نے مہر خاموش توڑتے ہوئے جواب دیا کہ سزا دی جائے۔ اس جواب سے ولید کو سخت غصہ آیا۔ وہ حضرت عمرؒ کے منہ سے قتل کا فتویٰ کہلوانا چاہتا تھا کیونکہ آخر حضرت عمرؒ ایک محدث اور فقیہ بھی تھے۔

اس غصہ کی حالت میں ولید گھر چلا گیا اور جلاد نے حضرت عمرؒ کو واپس جانے کا کہا۔ حضرت عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں دربار خلافت سے واپس آ گیا لیکن نہایت ڈرا ہوا تھا کہ شاید خلیفہ کی نازک مزاجی میرے متعلق بھی کوئی غلط حکم نہ دے دے۔ میں گھر آ کر ابھی بیٹھا ہی تھا کہ ولید نے حضرت عمرؒ کو اپنے گھر بلوایا اور پھر اس خارجی کے بارے میں ان کی رائے طلب کی کہ میں نے جو اس کے قتل کا حکم دیا تھا وہ درست تھا یا نہیں؟ اب حضرت عمر رحمہ اللہ نے فرمایا: امیر المومنین! اس کا قتل درست نہ تھا البتہ اسے کوئی سزا دی جا سکتی تھی

اور اگر آپ چاہتے تو اس کو معاف بھی کیا جا سکتا تھا ور نہ پھر قید کر دیتے۔

ولید کی طبع نازک پہ یہ بات گراں گزری وہ اپنے اس فعل کے جواز پر ان سے جواز کا فتویٰ حاصل کرنا چاہتا تھا جو انہوں نے نہ دیا۔ لہٰذا وہ غصے سے بھڑک اٹھا۔ حضرت عمرؒ نے اس کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایک مخلص و صادق خیر خواہ کے انداز میں اٹھ کر اپنے گھر کی طرف بڑھے۔ ان کے پیچھے پیچھے جلاد خالد بن ریان بھی نکلا جو اپنے آقا ولید کے غصہ کو کئی بار دیکھ چکا تھا اور اس کے سامنے حضرت عمرؒ کا فتویٰ بھی سن چکا تھا۔ اس نے حضرت عمرؒ سے کہا: ''ابو حفص! اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے امیر المومنین سے بحث کی جس سے مجھ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں امیر المومنین آپ کے بارے میں بھی وہی حکم نہ دے دیں جو انہوں نے اس خارجی کے بارے میں دیا تھا۔'' حضرت عمرؒ کو جلاد کی یہ بات ناگوار گزری لیکن آپ نے مصلحت کے پیش نظر اپنا غصہ ضبط کر لیا اور جلاد سے پوچھا: اگر امیر المومنین تجھے میرے قتل کا حکم دیتے تو کیا تو اس کی تعمیل کرتا؟ اس نے کڑک کر جواب دیا: واللہ! ضرور تعمیل کرتا۔ حضرت عمرؒ اس کے جواب پر خاموش ہو گئے لیکن جلاد کی اس بات کو انہوں نے نہاد خانہ دل میں محفوظ کر لیا۔[1]

(قصہ ۱۴) ﴿حضرت عمرؒ کی نظر بندی﴾

اس واقعہ کے بعد ولید نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ایک اور مسئلہ میں الجھانا چاہا۔ وہ یہ مسئلہ تھا کہ وہ اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے ہٹا کر اپنی اولاد کو خلافت منتقل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اسے حضرت عمرؒ کے تعاون کی ضرورت تھی۔ جب اس نے اس بارے میں سیدنا عمرؒ سے بات کی تو انہوں نے جواب دیا: ''امیر المومنین! ہم نے آپ دونوں بھائیوں کی ایک ہی وقت میں بیعت کی تھی، لہٰذا آپ سلیمان کو کیسے الگ کر سکتے ہیں؟''

اس بات نے ولید اور حضرت عمرؒ کے درمیان اختلافات کی خلیج کو اور زیادہ کر دیا اور دونوں طرف نفرت کے جذبات بڑھنے شروع ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ ولید نے حضرت عمرؒ کو تین

---

[1] سیرۃ لابن جوزیہ ص ۲۴۸، الخلیفۃ العادل لابن عبدالحکم ص ۳۶

روز کے لیے نظر بند کر دیا۔ ان کا دانہ پانی بھی بند کر دیا۔ پھر حکم دیا کہ حضرت عمرؒ اگر زندہ ہوں تو رہا کر دیے جائیں۔ آپ کی اہلیہ جب اس مکان میں داخل ہوئیں تو حضرت عمرؒ کو زندہ پایا صرف گردن میں سخت درد تھا جو بعد میں علاج سے درست ہو گیا۔[1]

(قصہ ۱۵) ﴿دبی ہے جگر کی آگ مگر بجھی تو نہیں﴾

۹۵ھ میں حجاج اور قرہ بن شریک عبسی گورنر مصر دونوں کا انتقال ہوا۔ ان کی موت ولید کے لیے سخت صدمے کا باعث بنی۔ کیونکہ ان کی موت نے تخت خلافت کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس نے لوگوں کے سامنے اپنا بھرم رکھنے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ اور اس عورت کی طرح جس کا بچہ مر گیا ہو سر کھول کر منبر پر چڑھ گیا۔ اس نے پہلے تو لوگوں کو ان دونوں کی موت کی خبر دی۔ پھر کہا: ''بخدا! میں ان دونوں کی ایسی شفاعت کروں گا جو انہیں مفید اور نافع ہوگی''۔ ولید جب اس قسم کی باتیں کر رہا تھا تو حضرت عمرؒ جو حاضرین میں موجود تھے۔ ان کی ان لایعنی باتوں کو سن کر مسکرا رہے تھے اور اپنے ساتھ بیٹھے لوگوں سے فرما رہے تھے ''اس خبیث کو دیکھو، اللہ کرے اسے سرکار دو عالم ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو اور اللہ اسے بھی ان دونوں خبیثوں کے ساتھ ملا دے''۔ ولید جب یہ تعزیتی خطبہ دے کر منبر سے اترا تو لوگ اس سے تعزیت کے لئے آگے بڑھے کیونکہ اس کی سلطنت کے اہم ستون گر گئے تھے لیکن عمرؒ تعزیت کے لیے کھڑے نہیں ہوئے۔ ولید نے حضرت عمرؒ سے تعزیت کے لیے کھڑے نہ ہونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ''امیر المومنین! حجاج ہمارا آدمی تھا لہٰذا اس کی تعزیت ہم سے کرنی چاہیے۔'' ولید نے کہا ''ٹھیک کہتے ہو۔''[1]

جھکی ہے شاخِ تمنا ابھی کٹی تو نہیں
دبی ہے جگر کی آگ مگر ابھی بجھی تو نہیں

---

[1] سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ

(قصہ ۱۶) ﴿آپ کی مجلس سے خدا کی زمین وسیع ہے......!﴾

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی حضرت عمرؒ اور سلیمان میں رنجش بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؒ اور سلیمان گرمی کے موسم میں جہاد کے لیے نکلے۔ اتفاقاً ان دونوں کے غلام پانی پر لڑ پڑے اور حضرت عمرؒ کے غلاموں نے سلیمان کے غلاموں کو پیٹ ڈالا۔ سلیمان کے غلاموں نے اپنے آقا سے اس بارے میں شکایت کی۔ سلیمان نے حضرت عمرؒ سے کہا کہ آپ کے غلاموں نے میرے غلاموں کو پیٹا ہے۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا: مجھے علم نہیں۔ سلیمان نے اس بارے میں کچھ تلخ کلامی سے کام لیا تو حضرت عمرؒ اس سے ناراض ہو کر کہنے لگے: جب سے میں ہوشیار ہوا ہوں میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا''۔ پھر حضرت عمرؒ یہ کہتے ہوئے سلیمان کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ: ''آپ کی مجلس سے خدا کی زمین وسیع ہے''۔

اس کے ساتھ ہی آپؒ نے مصر جانے کا ارادہ اور تیاری کر لی۔ جب سلیمان کو آپؒ کے مصر جانے کا پتہ چلا تو انہیں ناگوار گزرا۔ بعد میں ان کی پھوپھی نے ان دونوں کی صلح کرا دی اور پھر پھوپھی کے کہنے پر حضرت عمرؒ سلیمان کے پاس چلے گئے۔ سلیمان نے ان سے معذرت کر لی اور کہا: ''ابو حفص! جب کبھی کوئی غم یا پریشانی لاحق ہوتی ہے تو مجھے آپ ہی یاد آتے ہیں''۔ چنانچہ سیدنا عمرؒ نے مصر جانے کا ارادہ ترک کر دیا[1]

(قصہ ۱۷) ﴿خلافتِ عمرؒ کے بارے میں مشورہ﴾

سلیمان بن عبدالملک دابق میں مقیم تھا کہ یہیں مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت تک ولی عہد کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ جب حالت زیادہ خراب ہوئی اور وہ زندگی سے مایوس ہو گیا تو اس نے اپنے نابالغ بیٹے ایوب کو اپنا ولی عہد نامزد کیا۔ اس وقت ''محدث رجاء بن حیوۃ کندی'' اس کے پاس موجود تھے۔ انہوں نے کہا: ''امیر المومنین! خلیفہ کسی صالح، نیک اور امین و دیانتدار آدمی کو بنانا چاہئے تاکہ قبر میں امن اور قیامت

---

[1] سیرۃ ابن جوزیہ/۳۶

کے روز شرمندگی نہ اٹھانی پڑے''۔

سلیمان چونکہ نیک فطرت اور سلیم الطبع شخص تھا چنانچہ محدث رجاءؒ کی یہ بات اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ وہ اس مسئلہ پر غور کرنے لگا۔ دو دن کے بعد اس نے اپنا وصیت نامہ چاک کر ڈالا اور رجاء بن حیوۃؒ سے پوچھا: ''میرے لڑکے داؤد کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' انہوں نے کہا: ''وہ اس وقت قسطنطنیہ کی مہم پر ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا ہے۔'' کیونکہ قسطنطنیہ کی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ ہلاک ہو گیا تھا اور داؤد کے بارے میں پتہ نہیں تھا کہ وہ زندہ ہے یا وہ بھی ہلاک ہو گیا ہے۔

سلیمان نے کہا: ''اب آپ کی کیا رائے ہے؟ کس کو خلیفہ نامزد کیا جائے؟''۔ رجاء نے کہا: ''امیر المومنین! نامزدگی تو آپ نے کرنی ہے لہٰذا اصل رائے تو آپ کی ہے آپ نام لیجئے میں غور کرونگا''۔ سلیمان نے کہا: ''عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' رجاء نے جواب دیا: ''میرے نزدیک وہ نہایت فاضل، نیک، سلیم الفطرت، دیانت دار اور برگزیدہ مسلمان ہیں''۔ سلیمان نے کہا: ''بخدا! میرا بھی یہی خیال ہے لیکن اگر عبدالملک کی اولاد کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے اور ان کے بجائے عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنا دیا جائے تو ایک بڑا فتنہ پیدا ہو جائے گا اور لوگ ان کو خلافت پر قائم نہ رہنے دیں گے، لہٰذا میں عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ اور ان کے بعد یزید بن عبدالملک کو ولی عہد نامزد کرتا ہوں۔ اس سے لوگ کافی حد تک مطمئن ہو جائیں گے اور عمر بن عبدالعزیز کی خلافت تسلیم کر لیں گے۔ بات کافی حد تک معقول تھی لیکن اس نظام حکومت میں عبدالملک کی اولاد اپنے کو عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ خلافت کی مستحق سمجھتی تھی۔ رجاء نے سلیمان کی اس بات کی تائید کی۔ چنانچہ اس وقت سلیمان نے خود اپنے ہاتھ سے یہ وصیت نامہ تحریر کیا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ تحریر خدا کے بندے سلیمان بن عبدالملک امیر المومنین کی طرف سے عمر بن عبدالعزیز کے لیے ہے۔ میں اپنے بعد آپ کو خلیفہ بناتا ہوں اور آپ کے بعد یزید بن عبدالملک کو۔ لہٰذا مسلمانو! ان کا کہنا سننا اور ان کے احکام کی اطاعت کرنا۔ اللہ تعالیٰ سے ہر حالت میں ڈرنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا کہ دوسرے لوگ آپ پر حرص

کی نگاہ ڈالیں''۔

یہ وصیت نامہ سر مہر کر کے محدث رجاء بن حیوۃ کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ وہ خاندان کے لوگوں کو اکٹھا کر کے بغیر نام کے ظاہر کیے ان سے نامزد خلیفہ کی بیعت لے لیں۔ چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ سب نے بالاتفاق سمعنا واطعنا کہا اور بیعت کر لی۔ اس کے بعد پھر سب اہل خاندان سلیمان کو دیکھنے کے لیے گئے اور ان کے سامنے سب نے فرداً فرداً بیعت کی۔[1]

(قصہ ۱۸) خلافت کی ''گرہ''

بعض روایات میں ہے کہ موت جب سلیمان کو جھانکنے لگی اور اس کی بے قراری میں اضافہ ہوا تو اس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میرے بچے میرے سامنے مسلح پیش کیے جائیں یعنی تلواریں لٹکی ہوئی ہوں، زرہیں پہنی ہوئی ہوں اور لڑائی کی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں شاید میں اپنے کسی بچے میں شجاعت کے آثار دیکھ اور اس کے حق میں خلافت کی وصیت کر جاؤں۔ رجاء بن حیوۃ نے حکم کی فوری طور پر تعمیل کی اور اس کے سب بچے مسلح حالت میں اس کے سامنے پیش کئے گئے۔ سلیمان نے انہیں دیکھ کر کہا:

ان بنی صبیت صغار افلح من کان لہ کبار

''میرے بچے چھوٹے ہیں۔ وہ کامیاب ہے جس کے بچے بڑے ہوں''۔

اس وقت عمر بن عبد العزیزؒ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ بولے:

''قد افلح من تزکی، و ذکر اسم ربہ فصلی''[2]

''وہ کامیاب ہوا جو پاک ہوا اور اس نے اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی''۔

یہ آیت سن کر سلیمان تاڑ گیا پھر اس نے اپنے دل میں کہا کہ وہ خلافت کی گرہ اس طرح باندھے گا کہ اس میں شیطان کا حصہ نہ ہوگا۔[3]

---

۱ البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۱۹۵، الخلیفہ العادل لابن الحکم ص ۴۱ تا ۴۴، طبقات ابن سعد

۲ ''الاعلیٰ'' پ ۳۰ ۳ سیرۃ ابن الحکم ص ۳۰

(قصہ ۱۹) ﴿خلافت سے پہلے......﴾

سیدنا عمرؒ اگر چہ خلافت کے خواہاں نہ تھے اور نہ انہوں نے اس کے لئے کوئی دوڑ دھوپ کی لیکن ان کا ظنِ غالب تھا کہ سلیمان انہی کو خلیفہ نامزد کریں گے۔ یہ گمان اسی روز سے تھا جس روز سلیمان خلیفہ بنے تھے۔ نوروز اور مرجان کے دن سلیمان کے پاس سونے کے برتنوں میں تحائف کی بھرمار ہوتی تھی۔ جب لوگ تحائف لے کر آتے اور حضرت عمرؒ وہاں موجود ہوتے تو جب بھی کوئی تحفہ لے کر گزرتا تو سلیمان پوچھتے: ''عمر! کہو یہ کیسا ہے؟''

حضرت عمرؒ جواب دیتے: ''امیر المومنین! یہ تو دنیوی زندگی کی پونجی ہے۔'' سلیمان پوچھتے: ''اچھا اگر تمہیں خلیفہ بنا دیا جائے تو تم ان کا کیا کرو گے؟ حضرت عمرؒ جواب دیتے: ''امیر المومنین! اللہ گواہ ہے کہ میں انہیں بانٹ دوں گا اور ایک بھی اپنے پاس نہیں رکھوں گا'' [1]

(قصہ ۲۰) ﴿خلیفۂ وقت: عمر بن عبدالعزیزؒ﴾

بعض روایات میں ہے کہ سلیمان کی وفات کے بعد محدث رجاء بن حیوۃ اس اندیشے کے تحت کہ سلیمان کی وفات کی خبر سننے کے بعد کہیں اہلِ خاندان سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی بیعت میں کچھ لیت ولعل نہ کریں۔ موت کی خبر کو مخفی رکھا اور دوبارہ خاندان کے تمام افراد کو جمع کر کے ان سے امیر المومنین کے وصیت نامہ پر پھر فرداً فرداً بیعت لی اور اس طرح بیعت کو مستحکم کرنے کے بعد سلیمان کی موت کا اعلان کیا اور وصیت نامہ پڑھ کر سنایا۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی نامزدگی کا سن کر تمام افراد نے سمعنا واطعنا کہا لیکن ہشام بن عبدالملک نے بیعت سے انکار کر دیا۔ رجاء نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ہشام سے کہا کہ خاموشی سے بیعت کرو ورنہ تمہارا سر قلم کر دوں گا اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں منبر پر بٹھا دیا اور پھر کسی نے چوں وچرا نہ کی۔ [2]

---

[1] سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۱۲۱ [2] سیدنا عمر بن عبدالعزیز

(قصہ ۲۱) ﴿فرض شناسی﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بننے کے بعد گھر پہنچے تو خلافت کے بارگراں سے پریشان حال اور کبیدہ خاطر تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی کوہ گراں آپ پر ڈال دیا گیا ہے۔ خادمہ نے یہ حالت دیکھی تو پوچھا: خیر ہے آپ اس قدر فکر مند کیوں ہیں؟

آپؒ نے فرمایا: اس سے بڑھ کر تشویش کی بات کیا ہوگی کہ مشرق و مغرب میں رسول اللہ ﷺ کی امت کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا حق مجھ پر نہ ہو اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو......![1]

(قصہ ۲۲) ﴿خلافت سے مستعفی ہونے کا عزم﴾

سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ میں جب زیادہ اضطراب پیدا ہوا تو آپ غور وفکر کے بعد اس سے دست برداری کے لیے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے ان سے فرمایا:

> ''لوگو! میری خواہش اور عوام الناس کی رائے لیے بغیر مجھ پر خلافت
> کی گرانبار ذمہ داریاں ڈال دی گئی ہیں، اس لیے میری بیعت کا جو
> طوق آپ حضرات کی گردن پر ہے میں اسے خود اتار دیتا ہوں لہٰذا تم
> جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو''۔

آپؒ نے یہ کلمات کہے ہی تھے کہ لوگوں نے شور بلند کر دیا کہ ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے اور ہم سب آپ کی خلافت سے راضی ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر امور خلافت کو انجام دیں۔ جب آپ کو اس بات کا پورا پورا یقین ہو گیا کہ کسی شخص کو آپ کی خلافت سے کوئی اختلاف نہیں اور ہر شخص میری خلافت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو آپ نے اس بارگراں کو قبول فرما لیا۔

اور پھر مسلمانوں کے سامنے خطاب فرمایا جس میں انہیں تقویٰ اور یوم آخرت کے

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۵۲، سیر اعلام النبلاء (۱۲۶/۵)

بارے میں تلقین فرمائی اور پھر خلیفۂ اسلام کی اصلی حیثیت اور حقیقت کو واضح فرمایا جسے بعض اموی فرمارواؤں نے ملوکیت کے دبیز پردوں میں گم کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! تمہارے نبی ﷺ کے بعد کوئی دوسرا رسول اور نبی آنے والا نہیں ہے اور جو کتاب اللہ تعالیٰ نے ان پر اتاری ہے اب اس کے بعد کوئی دوسری کتاب آنے والی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو شے حلال کر دی ہے وہ قیامت تک کے لیے حلال ہے اور جو شے حرام کر دی ہے وہ قیامت تک کے لئے حرام ہے۔ میں اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نافذ کرنے والا ہوں۔ خود اپنی طرف سے نئی بات پیدا کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض اتباع اور پیروی کرنے والا ہوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔ میں تم میں سے کوئی ممتاز شخص نہیں ہوں بلکہ ایک معمولی فرد ہوں لیکن تمہارے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر زیادہ ذمہ داری ڈالی ہے۔''[1]

(قصہ ۲۳) ﴿عبدالعزیز بن ملک کی بیعت﴾

جس وقت دمشق میں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی بیعت ہو رہی تھی اور لوگ ان کو اپنے دل کی گہرائیوں سے اپنا خلیفہ تسلیم کر چکے تھے کیونکہ وہ ان کی نیکی اور طبیعت کی پاکیزگی سے بخوبی آشنا تھے اور سمجھتے تھے کہ ایسا شخص رعایا کے مفاد کو مدنظر رکھے گا نہ کہ اپنے ذاتی مفاد کو، اس وقت عبدالعزیز بن عبدالملک جو کہیں باہر تھا اور اس کو سلیمان کی عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں وصیت کا کوئی علم نہ تھا۔ اس نے سلیمان کی موت کی خبر سن کر اپنے ساتھیوں سے اپنی بیعت کروالی کیونکہ وہ بھی اپنے آپ کو خلافت کا ایک امیدوار سمجھتا تھا۔ ساتھیوں سے

---

[1] سیرت لابن جوزی ص ۱۰۸، سیر اعلام النبلاء (۱۲۶/۵)، البدایہ والنہایہ (۲۱۲/۹)

بیعت لے کر وہ دمشق کے ارادے سے بڑھا۔ راستہ میں اسے سلیمان کی وصیت اور سیدنا عمر ابن عبدالعزیزؒ کی بیعت کا حال معلوم ہو گیا۔ یہ سن کر وہ سیدنا عمر ثانیؒ کے پاس پہنچا۔ حضرت عمرؒ کو اس کے بیعت لینے کی خبر ہو چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس سے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنی بیعت لے کر دمشق میں داخل ہونا چاہتے تھے۔

عبدالعزیز نے کہا: مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ سلیمان نے آپ کو خلیفہ نامزد کر دیا ہے۔ اس لیے مجھے اندیشہ تھا کہ لوگ خزانہ وغیرہ لوٹ لیں گے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: اگر لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور تم بار خلافت کو سنبھال لیتے تو میں تم سے کوئی جھگڑا نہ کرتا اور خلافت کے بار دوش سے سبکدوش ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ جاتا۔ عبدالعزیزؒ نے کہا: ''خدا گواہ ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے میں دوسرے کا خلیفہ ہونا پسند ہی نہیں کرتا''۔ چنانچہ اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔[1]

(قصہ ۲۴) ﴿نفاذِ عدل میں برادری کو خاطر میں نہ لانا﴾

اس سلسلے کی اگلی کڑی یہ ہوئی کہ حضرت عمرؒ نے اپنے خاندان کے افراد کو جمع کیا اور فرمایا: ''بنو مروان! تم کو شرف و دولت کا ایک بہت بڑا حصہ ملا ہے اور میرے خیال میں امت کا نصف یا دو تہائی مال تمہارے قبضے میں ہے''۔

یہ دراصل آپ نے ان لوگوں کو اشارتاً بتایا تھا کہ تم غصب شدہ اموال اور جائدادیں واپس کر دو۔ وہ لوگ آپ کے اس اشارے کو سمجھ گئے اور کہا: خدا کی قسم! جب تک ہمارے سر جسموں سے جدا نہ ہو جائیں اس وقت تک ہم یہ اموال اور جائدادیں واپس نہیں کریں گے خدا کی قسم! ہم نہ اپنے آباواجداد کو کافر بنا سکتے ہیں اور نہ اپنی اولادوں کو فقیر و مفلس۔

(سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے سے پہلے فرمارواؤں کے افعال کو ناجائز کہتے تھے)

آپؒ نے ان کا یہ جواب سن کر فرمایا:

> ''خدا کی قسم! اگر تم اس معاملہ میں میری مدد نہیں کرو گے تو میں تم لوگوں کو ذلیل و رسوا کر دوں گا میرے پاس سے چلے جاؤ''۔[2]

---

[1] سیرۃ ابن جوزیہ
[2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ۱۱۵

(قصہ ۲۵) ﴿پانچویں خلیفہ راشدؒ﴾

سیدنا عمرؒ تیز آندھی کی طرح باطل اور غرور ونخوت کے آثار مٹاتے جارہے تھے۔ آپؒ نے سب سے پہلے اپنا شاہانہ لباس تبدیل کر کے عام سادہ لباس زیب تن کیا اور خوشبو دھو ڈالی اور آٹھ درہم کی قیمت کی چادر اوڑھ لی۔ پھر حکم فرمایا کہ میرے پاس جو جو برتنے کی چیزیں ہیں ان سب کو اور سواریوں اور کپڑوں کو اور عطر وغیرہ کو فروخت کر دیا جائے چنانچہ یہ سب اشیاء ۲۳ یا ۲۴ ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوئیں اور وہ سارا روپیہ بیت المال میں جمع کرا دیا گیا۔ گویا اصلاح کا عمل اپنی ذات سے شروع فرمایا۔

پھر خلافت کی سرکاری سواریوں کو لایا گیا گھوڑے زین کسے ہوئے قطار در قطار کھڑے تھے اور ان پر سوار تلواریں سونتے ہوئے تھے۔ قناتیں تنی ہوئیں اور خیمے گرے ہوئے تھے ان سب کے آگے محافظ دستہ کا افسر چل رہا تھا۔ سیدنا عمرؒ نے اس سے کہا: مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں، میں نے تم سب کو سبکدوش کر دیا پھر آپ اپنے خچر کو تلاش کرتے ہوئے قطاروں میں گھس گئے اور اسے پکڑ کر اسی پر سوار ہو گئے بہت سے پہرے دار سپاہیوں کو فارغ کر دیا جن کی تعداد چھ سو سے زیادہ تھی۔

پھر ان قناتوں اور فرشوں کو ٹھوکر مار کر اپنے راستے سے ہٹا دیا پھر اپنے غلام مزاحم کو بلا کر فرمایا: ''یہ خچر گھوڑے اور قناتیں وغیرہ اور دیگر آرائشی سامان بیت المال میں جمع کر دو۔''[1]

(قصہ ۲۶) ﴿عظیم گھرانہ﴾

جب حضرت عمر رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو کے گھر میں غریبی ناچنے لگی تھی۔ آپؒ کی اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملکؒ نے درخواست کی کہ ان کا اور ان کے بچوں کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ آپؒ نے فرمایا: بیت المال میں گنجائش نہیں۔ وہ بولی: آپ قبل از خلافت دوسروں سے کیوں لیا کرتے تھے۔ فرمایا: جب تو وہ مال میرے لیے حلال اور طیب تھا اس کا وبال اور

---

[1] سیرہ ابن جوزیہ ص ۹۸

گناہ انہیں پر تھا جنہوں نے اس کو ناجائز طریقے سے حاصل کیا لیکن خلیفہ بنائے جانے کے بعد میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس طرح حضرت عمرؒ اہلیہ کو برابر سمجھاتے رہے یہانتک کہ وہ بھی اس تقویٰ اور پرہیزگاری کے سانچے میں ڈھل گئیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ان سے اس بیش بہا قیمتی پتھر کو بیت المال میں داخل کرنے کا کہا جوان کو اپنے والد عبدالملک سے ملا تھا تو انہوں نے فوراً وہ پتھر بیت المال میں داخل کر دیا۔[1]

(قصہ ۲۷) ﴿عشقِ رسول اکرمؐ﴾

آل بلال میں رباح نے حضرت عمرؒ کے خلاف ایک مقدمہ دائر کیا کہ انہوں نے آپ کو ایک کھیت فروخت کیا تھا۔ پھر اس میں کانیں نکل آئیں۔ مقدمہ میں کہا گیا کہ ہم نے آپ کو کھیت فروخت کیا تھا کانیں فروخت نہیں کی تھیں اور انہوں نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی ایک تحریر دکھائی۔

حضرت عمرؒ نے لپک کر وہ تحریر چوم لی اور اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور اپنے منتظم سے فرمایا: اس کی آمدنی اور خرچ کا اندازہ لگاؤ۔ پھر آپ نے خرچ وضع کر کے باقی رقم انہیں دے دی۔[2]

؎ محمدؐ ہیں متاعِ عالمِ ایجاز سے پیارے
پدر مادر برادر مال جان اولاد سب پیارے

(قصہ ۲۸) ﴿پھوپھی سے ایمان افروز گفتگو﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل و انصاف کے آفتاب سے اموی امراء کی ظلم و ستم کی شبِ تاریک کی ظلمت دور ہونے لگی تو انہوں نے آپ کے خلاف سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ جب انہیں دوسرے راستوں سے کامیابی نظر نہ آئی تو انہوں نے سب سے پہلی سازش یہ کی کہ ان کی پھوپھی فاطمہ کو ان کے خلاف مشتعل کیا اور اس کے کان بھرے۔

---

[1] سیرہ ابن جوزیہ [2] فتوح البلدان ۲۲

فاطمہ بنت مروان ایک بلند پایہ اور خود دار خاتون تھیں۔ جب سب امراء نے یک زبان ہو کے حضرت عمرؒ کے خلاف ان کے کان بھرے تو انہوں نے حضرت عمرؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں ایک نہایت اہم کام کے سلسلہ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ یہ پیغام بھیج کر فاطمہ گھوڑے پر سوار ہو کر آپؒ کے پاس پہنچیں۔ دربان ان کو اندر لے آیا۔ یہاںتک کہ آپ حضرت عمرؒ کے خیمہ تک پہنچ گئیں۔ حضرت عمرؒ نے مزاح کے طور پر پوچھا: کیا آپ نے دروازے پر پہرے دار نہیں دیکھے؟ فاطمہ بنت مروان نہایت خود دار اور سنجیدہ خاتون تھیں انہیں مزاح اور دل لگی سے کوئی تعلق نہ تھا انہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! دیکھے ہیں اور یہ دربان تو ان کے پاس بھی دیکھے ہیں جو تم سے بہتر تھے۔ آپ نے دیکھا کہ پھوپھی کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہیں۔ لہٰذا آپ نے مزید کوئی بات نہ کی اور ان کے تشریف لانے کا مقصد پوچھا۔ فاطمہ بنت مروان نے اپنے آنے کا سبب بتایا۔ آپ نے جواب میں عرض کیا: پھوپھی صاحبہ! جب سرکار دو عالم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو لوگوں کو ایک آباد گھاٹ پر چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ پھر اس امت کا منتظم ایک ایسا شخص ہوا جس نے اس میں کمی بیشی نہ کی۔ پھر یکے بعد دیگرے مختلف حضرات اس امت کے منتظم ہوئے لیکن بعد میں آنے والے کچھ منتظمین نے اس میں کمی بیشی کر دی، بخدا! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی عطا فرمائی تو میں اس انتظام کو سابقہ حالت پر لے آؤں گا۔ آپ کی بات سن کر پھوپھی صاحبہ نے کہا: پھر تو تمہارے نزدیک ان خلفاء کو برا نہ کہا جائے۔ آپ پھوپھی صاحبہ کی بات سمجھ گئے کہ یہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ آپ نے فرمایا: انہیں کون برا کہتا ہے؟ ایک شخص اپنا حق حاصل کرنے کے لیے میرے پاس آتا ہے تو میرے لیے ضروری ہے کہ میں اس کو اس کا حق دلاؤں۔ پھوپھی صاحبہ نے کہا: آپ کے اعزاء واقارب آپ کا شکوہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے وہ چیزیں چھین لیں جو پہلے خلفاء نے ان کو دی تھیں یا پہلے خلفاء نے ان سے نہیں چھینی تھیں۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا: ''میں نے ان کا حق تو نہیں لیا؟'' وہ بولیں: یہ درست ہے لیکن میں نے انہیں آپ کے خلاف سخت باتیں کرتے ہوئے سنا ہے اور مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ کوئی سخت دن آپ کے پاس نہ لے آئیں۔ یہ بات سن کر حضرت عمرؒ

جوش میں آ گئے اور فرمایا:

''مجھے ہر سخت دن کا ڈر ہو اور روز قیامت جیسے دن کا ڈر نہ ہو...... ایسا ممکن نہیں میں تو یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے قیامت کے دن کی سختی سے محفوظ فرمائے''۔

حضرت عمرؒ کی یہ بات سن کر پھوپھی نے اٹھ کر جانا چاہا تو آپؒ نے انہیں بٹھالیا۔ اب آپ نے اپنی بات مزید پھوپھی صاحبہ کے ذہن میں اتارنے کے لیے ایک اشرفی اور ایک آگ کا انگارہ منگوایا۔ اس اشرفی کو انگارے پر رکھا جس سے وہ اشرفی سرخ ہو کر پگھل گئی اور اس پر جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا: پھوپھی جان! کیا آپ کو اپنے اس بھتیجے پہ اس جیسی اشرفی سے رحم نہیں آتا............؟

یہ دیکھ کر پھوپھی صاحبہ خاموش کھڑی ہو گئیں اور حضرت عمرؒ کی یہ بات ان کے دل میں جاگزیں ہو گئی اور وہ خوفزدہ ہو گئیں۔ پھر آپؒ نے اپنی پھوپھی کی خاموشی کو دیکھ کر کہا: ''پھوپھی صاحبہ! بات کریں میں کوئی غلط بات تو نہیں کہہ رہا؟'' وہ بولیں: ''عمر! میں تم سے تبادلہ خیالات کرنے کے لیے آئی تھی لیکن تمہارا یہ انداز گفتگو سن کر مجھ میں بات کرنے کی ہمت نہیں رہی''۔

چنانچہ وہ اٹھ کر واپس چلی آئیں اور مزید کوئی بات نہ کر سکیں۔ واپسی تک ان کے ذہن میں سونے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اور وہ سونے اور سونے والوں کے درمیان مقابلہ کر رہی تھیں۔ جب وہ واپس ان لوگوں کے پاس پہنچیں جنہوں نے انہیں مشتعل کر کے حضرت عمرؒ کے پاس بھیجا تھا تو ان کو اکٹھا کر کے کہنے لگیں: ''تم اپنے فرزند عبدالعزیزؒ کا نکاح جب آل عمرؓ میں کرتے ہو تو پھر جب اس کی اولاد وہ کچھ کرتی ہے جو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تو بے صبری کا اظہار کرتے ہو؟ عمر بن عبدالعزیز جو کچھ کہہ رہے ہیں یا کر رہے ہیں اس پر صبر کر کے اپنے کام کے انجام کا ذائقہ چکھو[1]

---

[1] سیرۃ ابن جوزیہ ۱۱۶، البدایہ والنہایہ (۹/)

(قصہ ۲۹) ﴿فکرِ آخرت﴾

سلیمان عبدالملک کا ایک لڑکا آپ کے پاس آیا جس کی زمین دستاویز نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے ضبط کر لی تھی۔ اس نے آ کر کہا: امیر المومنین! آپ مجھے میری زمین واپس کیوں نہیں کرتے؟'' آپ نے فرمایا: ''معاذ اللہ میں تم کو وہ زمین کیوں نہ لوٹاؤں اگر تمہارے پاس اس کی ملکیت کی کوئی دستاویز ہے؟۔'' اس نے اپنی آستین سے دستاویز نکال کر آپ کو دی۔ حضرت عمرؒ نے دستاویز کو دیکھا اور فرمایا: اس دستاویز کی زمین کس کی ہے؟ اس نے جواب دیا: ''فاسق ابن حجاج کی''۔ فرمایا: پھر تو مسلمان اس کے حق دار ہیں۔ اب اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے کہا: ''اچھا، آپ مجھے میری دستاویز واپس کر دیں۔ سیدنا عمرؒ نے فرمایا: میں نے یہ دستاویز تم سے مانگی نہیں تھی، تم نے خود دی ہے، لہٰذا اب میں تمہیں یہ واپس نہیں کرونگا تاکہ تم کبھی بھی یہ غلط مطالبہ نہ کرسکو۔ مختصر یہ کہ حضرت عمرؒ نے سلیمان کے اس بیٹے کے ساتھ بھی وہی معاملہ یا جو دیگر امراء کے ساتھ کیا تھا وہ آپ کے سامنے رویا بھی مگر پھر بھی آپ نے انصاف کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپؒ کا غلام مزاحم یہ سارا معاملہ دیکھ رہا تھا جب وہ چلا گیا تو مزاحم نے آپؒ سے کہا: ''امیر المومنین! آپ سلیمان کے بیٹے کے ساتھ یہ برتاؤ کر رہے ہیں اور آپ کو اس کے رونے پر بھی ترس نہیں آیا''۔ آپؒ نے جواب میں فرمایا:

''میں سلیمان کے اس بیٹے کے لیے اسی قدر شفقت کے جذبات رکھتا ہوں جس قدر اپنی اولاد کے لیے رکھتا ہوں؟ لیکن کیا کروں، معاملہ دین کا ہے، کل اللہ کو حساب میں نے دینا ہے۔''[1]

---

[1] سیرۃ ابن جوزیہ (۱۱۸)

(قصہ ۳۰) ﴿حضرت عمرؒ اور بیس ہزار دینار کا تحفہ﴾

عنبسہ بن سعید بن العاص بنو امیہ کے اشراف میں سے تھا اور نہایت کثرت سے خلفاء کے پاس اس کی مجالس ہوتی تھیں۔ وہ اتنا مالدار تھا کہ اسے مزید مال کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن حریص ہونے کے ناطے وہ خلفاء سے مانگتا ہی رہتا تھا پھر بھی اس کا پیٹ نہ بھرتا تھا۔ ''کورۂ چشم حریصاں پر نہ شد'' کی زندہ مثال تھا۔ سلیمان نے مرنے سے قبل اس کو بیس ہزار دینار بطور عطیہ دیے۔ وہ اس طرح کہ ایک تحریر لکھ کر دے دی کہ یہ رقم بیت المال سے لے لی جائے۔ عنبسہ اس تحریر سے بہت خوش ہوا لیکن قبل اس کے کہ وہ یہ رقم بیت المال سے لیتا سلیمان کا انتقال ہو گیا اور بیت المال مقفل کر دیا گیا لہٰذا یہ تحریر نئے خلیفہ کے حکم پر موقوف رکھی گئی لیکن عنبسہ کی بدقسمتی کے نئے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہو گئے۔ عنبسہ ناامید نہ تھا کیونکہ حضرت عمرؒ اس کے گہرے دوست تھے۔

ایک روز عنبسہ حضرت عمرؒ کے پاس آیا دیکھا کہ ان کے دروازے پر بنو امیہ کے لوگ کھڑے ہیں ان لوگوں نے عنبسہ کو دیکھا تو کہا کہ اس کو واپس آنے دو اور لکھو کہ اس کا کام بنتا ہے یا نہیں؟ عنبسہ حضرت عمرؒ کے پاس گیا اور کہا: ''امیر المومنین! ہماری آپ سے رشتہ داری ہے اور آپ کی قوم آپ کے دروازے پر کھڑی ہے اور آپ سے التجا کر رہی ہے کہ آپ سے پہلے کے خلفاء جو کچھ انہیں دیا کرتے تھے وہ آپ بھی انہیں دیں۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا: ''عنبسہ! میرے مال میں تمہارے لیے کوئی گنجائش نہیں، باقی رہا سرکاری بیت المال سو اس میں تمہارا اور دوسرے تمام مسلمانوں کا برابر کا حق ہے۔ کسی مسلمان کے عزیز اور رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اس کا یہ حق روکا نہیں جا سکتا اگر خلافت کے کاموں میں سب لوگوں کی تم جیسی رائے ہو جائے تو یقیناً تم پر اللہ کا عذاب نازل ہو جائے''۔

امیر المومنینؒ کا جواب سن کر عنبسہ نے کہا: ''امیر المومنین! اس صورت میں آپ کی قوم آپ سے کسی اور جگہ جانے کی اجازت طلب کرتی ہے۔ حضرت عمرؒ نے جواب دیا: وہ جہاں چاہیں چلے جائیں میں نے انہیں اجازت دے دی البتہ کسی ذمی کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔

اب عنبسہ نے بات تبدیل کی اور کہا: ''امیر المومنین! سلیمان بن عبدالملک نے مجھے ایک ہدیہ دیا تھا لیکن عطیہ حاصل کرنے سے قبل سلیمان کا انتقال ہوگیا براہ کرم اب آپ یہ عطیہ مجھے دلوادیں میرے آپ کے ساتھ جس قدر گہرے تعلقات ہیں اس قدر سلیمان سے بھی نہ تھے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا: یہ عطیہ کتنی رقم کا ہے؟ وہ بولا: بیس ہزار دینار کا۔ اس قدر بھاری رقم سن کر حضرت عمرؒ نے چیخ ماری اور فرمایا: ''بیس ہزار دینار تو مسلمانوں کے چار ہزار گھرانوں کے کام آسکتے ہیں اور میں اس قدر گراں قدر رقم ایک شخص کو دے دوں، بخدا! میں ایسا نہیں کرونگا''۔ عنبسہ نے کہا: پھر تو آپ مجھے بھی اجازت دے دیں کہ میں آپ کی قوم کے ساتھ کسی دوسری جگہ چلا جاؤں۔ فرمایا: میں نے تمہیں بھی اجازت دے دی۔ عنبسہ کا بیان ہے کہ میں آخر کار آپ کے پاس سے نکل آیا۔ جب دروازے پر پہنچا تو آپ نے مجھے آواز دے کر بلایا اور فرمایا: کثرت سے موت کو یاد کیا کرو، اگر تم پر تنگی ہے تو موت کی یاد تمہاری تنگی دور کردے گی اور اگر فراخی ہے تو اس سے دنیا ہیچ نظر آئے گی''۔

حضرت عمرؒ کی یہ بات سن کر مجھے ایسا لگا جیسے آپ مجھ سے مذاق کررہے ہیں۔ پھر باہر آنے کے لئے آگے بڑھا تو آپ نے مجھے پھر آواز دی۔ اب کی بار آپ نے مجھ پر ترس کھایا اور میرے تعلقات کا احترام کیا۔ فرمایا: ''عنبسہ! میرے خیال میں تم کو کہیں جانا نہیں چاہیے کیونکہ تم ایک مالدار اور متمول شخص ہو۔ میں سلیمان کا ترکہ فروخت کرنے والا ہوں، تم اسے خریدلو۔ انشاء اللہ مافات کی تلافی ہوجائے گی''۔ عنبسہ کہتے ہیں کہ میں آپ کی رائے کو باعث برکت سمجھتے ہوئے ٹھہرا رہا اور میں نے ایک لاکھ میں سلیمان کا ترکہ خرید لیا پھر میں اس ترکے کو عراق لے گیا اور وہاں دو لاکھ میں فروخت کردیا۔[1]

(قصہ ۳۱) رگِ فاروقیؓ

''روح'' ولید کا بیٹا تھا جو کہ بڑا ظالم اور ستم گر تھا۔ لوگ اس سے خوفزدہ رہتے تھے۔ اس کے باپ ولید نے ''حمص'' میں کچھ دکانیں اس کے نام کردی تھیں اور ان کی دستاویز بھی

[1] سیرۃ ابن جوزیہ ۱۱۴

لکھ کر دی تھی۔ حمص والے اس بات کی شکایت لے کر حضرت عمرؒ کے پاس آئے۔ ان کی شکایت سن کر آپؒ نے ''روح'' سے کہا کہ ان لوگوں کی دکانیں چھوڑ دو لیکن روح کا موقف تھا کہ ولید کی دستاویزات کی رو سے یہ دکانیں میری ہیں حالانکہ اس بات کا ثبوت مل چکا تھا کہ دکانیں حمص والوں کی ہیں۔ آخر کار روح بن ولید اور اہل حمص اٹھ کر چلے گئے۔ راستہ میں روح نے اہل حمص کو ڈرایا دھمکایا۔ وہ حضرت عمرؒ کے پاس شکایت لے کر آئے۔ حضرت عمرؒ کی رگِ فاروقی پھڑکی۔ آپ نے ایک پہرے دار کعب بن حامد کو بلا کر کہا: ''روح ابن ولید کے پاس جاؤ اگر وہ اہلِ حمص کی دکانیں واپس کر دے تو خیر ورنہ اس کا سر میرے پاس لے آؤ''۔ کعب بن حامد ننگی تلوار لے کر روح کے پیچھے گیا۔ روح نے جب جلاد کو تلوار سونتے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے ذلیل و مغلوب ہو کر وہ دکانیں اہلِ حمص کو لوٹا دیں[1]

(قصہ ۳۲) ﴿اُمراء حضرت عمرؒ کے دروازے پر﴾

ایک دفعہ اُمراء حضرت عمرؒ کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ آپ اندر تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آپ کے صاحبزادے عبدالملک سے کہا کہ یا تو ہم لوگوں کو اندر جانے کی اجازت دلواؤ یا پھر اپنے ابا کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دو کہ ''ان سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ہمارے اوپر انعام و عطایا نچھاور کیا کرتے تھے، ہمارے مراتب و درجات کا لحاظ رکھتے تھے، لیکن تمہارے ابا نے ہمیں ہر قسم کی مراعات سے محروم کر دیا''۔ عبدالملک نے اندر جا کر سیدنا عمرؒ کو لوگوں کا یہ پیغام سنا دیا۔ آپ نے فرمایا: ''ان لوگوں کو جا کر کہہ دو کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو قیامت کے عذاب سے مجھے سخت خوف آتا ہے، لہٰذا میں آپ لوگوں کو کوئی بھی ناجائز مراعات نہیں دے سکتا[2]

---

[1] سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ [2] سیرت عمر بن عبد العزیز ۱۱۷ الخلیفہ العادل ص ۶۱، ۶۲

(۳۳) تو نکہتِ گل بن کے سبک سیر گذر جا

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل و انصاف کی بارش اپنے پرائے سب پر یکساں برستی تھی۔ جب آپ کے گھر والوں کو بھی مشقت کا سامنا کرنا پڑا تو انہیں بھی آپؒ سے کچھ شکایت ہوئی۔ چنانچہ عنبسہ بن سعد نے آپ سے شکایت کی کہ امیرالمومنین! ہم لوگوں کا آپ پر حق قرابت ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ''میرے ذاتی مال میں تم لوگوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے (یعنی تمہاری ضرورت اس سے پوری نہیں ہوسکتی) اور بیت المال کے مال میں تم لوگوں کا اس سے زیادہ حق نہیں ہے جتنا ''برک غماد'' (ایک جگہ کا نام) کے آخری حدود کے رہنے والے کا ہے، خدا کی قسم! اگر ساری دنیا تمہاری ہم نوا ہو جائے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو۔''[۱]

طوفاں سے، کبھی برق سے، ڈرتے ہیں رہینگے
جینے کی تمنا میں تو مرتے ہی رہیں گے
تو نکہتِ گل بن کے سبک سیر گذر جا
چڑھتے ہوئے دریا تو اترتے ہی رہیں گے

(قصہ ۳۴) اصولِ معیشت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ظلم و جور کے انسداد کے سلسلہ میں ایک اقدام یہ کیا کہ آپؒ نے تاجروں پر پابندی لگا دی تھی کہ وہ حد سے زیادہ منافع نہ لیں لیکن آپ نے اس پر کوئی سزا مقرر نہ کی اور آپ زیادہ منافع سے نفرت تو کرتے تھے لیکن سزا نہ دیتے۔ آپ نے جب اسامہ بن زید تنوخی کو مصر کا گورنر بنایا۔ تو اس نے اپنی گورنری کے زمانے میں موسیٰ ابن مروان سے بیس ہزار دینار کی مرچیں خریدیں اور اسامہ بن زید نے انہیں ایک گودام میں محفوظ کر دیا۔ اسامہ نے یہ مرچیں ولید بن عبدالملک کے لیے خریدی تھیں تا کہ انہیں ہدیہ کے طور پر شاہ روم کے پاس بھیجے لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہو گئے تو موسیٰ بن

---

۱ ایضاً ص ۱۱۴، البدایہ والنہایہ (۱۹)

مروان نے ان مرچوں کی قیمت کا مطالبہ کیا۔ موسیٰ بن مروان نے ایک روز حضرت عمرؒ سے درخواست کی کہ آپ حیان بن سریح کو لکھ کر دیں کہ وہ بیس ہزار دینار مجھے دے دیں جو مرچوں کی قیمت ہے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا: یہ بیس ہزار دینا کس کے ہیں؟ اس نے کہا: میرے ہیں۔ پوچھا: تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی؟ موسیٰ نے کہا: میں تاجر ہوں۔ آپ نے اسے ایک چھڑی سے ملا کر فرمایا: تاجر فاجر ہوتا ہے اور فاجر جہنمی ہے۔ پھر فرمایا کہ حیان کو لکھ دو کہ اس کی رقم دے دے۔ موسیٰ کہتے ہیں کہ میں اس واقعہ کے بعد آپ کے پاس نہیں گیا اور آپ نے اپنے دربان کو حکم دیا کہ وہ میرے پاس نہ آئے۔[1]

(قصہ ۳۵) ﴿کفایت شعاری کی تلقین﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت سے پہلے جو بیت المال کے بعض مصارف و مخارج میں جو زیادتیاں اور اسراف ہو رہا تھا آپؒ نے ان کی بھی اصلاح فرمائی اور حکومت کے کارکنوں کو یہ احساس دلایا کہ خزانہ کے ہم متولی ہیں مالک نہیں کہ اپنی مرضی سے جتنا چاہیں اور جہاں چاہیں خرچ کریں۔ چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں روایت نقل کی ہے کہ ابوبکر ابن حزمؒ نے سلیمان بن عبدالملک کے آخری عہدِ خلافت میں کاغذ، قلم، دوات اور روشنائی کے دفتری اخراجات کے اضافہ کے لیے لکھا تھا۔ یہ خط ابھی بارگاہ خلافت میں پہنچا ہی تھا کہ خلیفہ سلیمان کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا وہ اس بارے میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔ خلیفہ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؒ مسند خلافت پر بیٹھے تو ابوبکر بن حزمؒ نے یہ مطالبہ ان کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس کے جواب میں ابوبکر بن حزمؒ کو لکھا کہ ''وہ دن یاد کرو جب تم اندھیری رات میں بغیر روشنی کے کیچڑ میں اپنے گھر سے مسجد نبوی جایا کرتے تھے اور خدا کی قسم! آج تمہاری حالت اس سے کہیں بہتر ہے۔ ان چیزوں کے اخراجات میں اضافہ نہیں ہوسکتا۔ تم قلم باریک کر لو اور سطریں قریب قریب لکھا کرو۔ اپنی اس قسم کی ضروریات میں کفایت شعاری سے کام لو۔ میں مسلمانوں کے بیت المال سے ایسی رقم صرف کرنا ہرگز پسند نہیں کرتا جس سے ان کو فائدہ نہ پہنچے۔[2]

---

[1] سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ [2] طبقات ابن سعد ۲۹۶/۵، سیر اعلام النبلاء ۱۳۲/۵

(قصہ ۳۶) ﴿سینے سے لگا لو دیوانو یہ درد بمشکل ملتا ہے﴾

حضرت عطارؒ حضرت عمرؒ کے انتقال کے بعد آپ کی اہلیہ کے پاس گئے اور ان سے حضرت عمرؒ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے اور آپ پر کفالت عامہ کی ذمہ داریوں کی بارگراں پڑی تو آپؒ نہایت فکر مند ہوئے اور رونے لگے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہیں کہ میں ایک رات آپ کے پاس گئی۔ آپ اپنے مصلی پر تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ میں نے پوچھا: کیا کوئی نئی بات ہوگئی؟ آپ نے روتے ہوئے فرمایا: ''امت محمدیہ (علی صاحبھا الصلوۃ والتسلیمات) کی پوری ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے لہٰذا میں بھوکے، فقیروں، بے سہارا مریضوں، مجاہدین، مظلوم اور ستم رسیدہ افراد، غریب الدیار قیدیوں، بوڑھے اور نحیف و ناتواں افراد اور ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو بکثرت اہل و عیال والے ہیں لیکن مالدار نہیں ہیں اور مختلف علاقوں میں بسنے والے اسی قسم کے دوسرے افراد کے بارے میں فکر مند تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ عنقریب قیامت کے روز مجھ سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اللہ کے حضور میرے مقابلے میں ان لوگوں کے وکیل محمد ﷺ ہوں گے۔

''فعلمت ان ربی سیسألنی عنھم یوم القیامۃ وان خصمنی دونھم محمدﷺ''

''مجھے ڈر لگا کہ جرح میں میری بات ثابت نہ ہوسکے گی تو میں اپنی جان پر ترس کھا کر رونے لگا''۔[1]

ہر ظرف نہیں اس قابل بن جائے غمِ جاناں کا امیں
سینے سے لگا لو دیوانو یہ درد بمشکل ملتا ہے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم (۱۷)

(قصہ ۳۷) ﴿سارے جہاں کا درد اِک میرے جگر میں ہے!﴾

حضرت عمرؒ کے زمانے میں ایک مرتبہ زبردست قحط پڑا تو عرب کے کچھ لوگ ایک وفد کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ انہوں نے آپ سے گفتگو کرنے کے لیے ایک شخص منتخب کیا۔ اس نے آپ سے کہا:

''اے امیرالمومنین! ہم ایک شدید ضرورت کی وجہ سے آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارے جسم کی چمڑی سوکھ گئی ہے، کیونکہ اب ہڈیاں بھی میسر نہیں آتیں اور ہماری مشکل کا حل صرف بیت المال کے ذریعہ ممکن ہے۔ اس مال کی حیثیت تین میں سے ایک ہوسکتی ہے یا تو خدا کے لیے ہے یا بندوں کے لیے یا پھر آپ کے لیے۔ خدا کو اس کی ضرورت نہیں۔ اگر بندگان خدا کے لیے ہے تو اسے انہیں دے دیجئے۔ اگر آپ کا ہے تو صدقہ کے طور پر ہمیں دے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر دے گا''۔

یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی چنانچہ آپؒ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کی تمام ضروریات بیت المال سے پوری کی جائیں[1]

(قصہ ۳۸) ﴿ایک فقیر کا حال دریافت کرنا﴾

حضرت عمرؒ کو اس بات کی بہت فکر لاحق رہتی تھی کہ رعایا فقر و فاقہ سے نجات پا جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص مدینہ طیبہ سے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ فلاں مقام پر جو فقیر بیٹھا کرتے تھے ان کا کیا حال ہے؟

اس نے بتایا کہ وہ لوگ اب وہاں نہیں بیٹھتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہاں بیٹھنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔[2]

---

[1] سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ　[2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۷۶

(قصہ ۳۹) ﴿قومی خزانے کی فکر﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک بیت المال میں صرف اس کے حق دار کا حصہ تھا یہانتک کہ خود امیر المومنین کا بھی اس میں کوئی حصہ نہ تھا۔

چنانچہ حضرت وہب بن منبہؒ جو کے ایک متقی پرہیزگار اور اللہ والے بزرگ تھے۔ آپ نے بیت المال کے سلسلہ میں ان کے ساتھ بھی وہ برتاؤ کیا جو ایک خلیفہ راشد کو کرنا چاہئے تھا۔ ماجرا یہ ہوا کہ حضرت وہبؒ بیت المال کے منتظم تھے اور بیت المال کی کچھ رقم کم ہوگئی۔ آپ نے حضرت عمرؒ کو لکھا کہ بیت المال میں ایک دینار (اور دوسری روایت کے مطابق چند دینار) کم ہیں۔ حضرت عمرؒ نے ان کو جواب میں لکھا: ''میں آپ کو الزام نہیں دیتا۔ مجھ سے اس مال کے بارے میں مسلمان جھگڑا کرنے والے ہیں، جتنے دینار کم ہیں براہ نوازش اتنے بیت المال میں جمع کر دیں۔'' چنانچہ حضرت وہب بن منبہؒ نے اتنے دینار اپنی جیب سے اس میں جمع کر دیئے[1]

(قصہ ۴۰) ﴿تربیتِ اولاد کا انوکھا واقعہ﴾

ایک مرتبہ حضرت عمرؒ کے بیٹے نے آپ سے درخواست کی کہ بیت المال میں سے مجھے میری شادی کا خرچہ دے دیا جائے۔ آپ سے قبل خلفاء کے بیٹے اپنی شادی کا خرچہ بیت المال ہی سے کرتے تھے۔ آپ نے اپنے بیٹے کی اس عرض داشت کو مسترد کر دیا حالانکہ آپ کی واضح ہدایات تھیں کہ بیت المال سے نادار اور قلاش لوگوں کی شادیاں کروا دی جائیں۔ آپ کا وہ بیٹا نادار بھی تھا اور قلاش بھی۔ اگرچہ وہ خلیفہ کا بیٹا تھا لیکن خلیفہ خود نادار تھا۔ آپ نے بیٹے کے نادار ہونے کے باوجود اس کی درخواست مسترد کر دی کیونکہ اس کی ایک بیوی پہلے سے موجود تھی۔ حضرت عمرؒ نے نہ صرف اس کی درخواست کو مسترد کیا بلکہ ناراض ہو کر اسے لکھا:

---

[1] سیرۃ ابن جوزیہ ص ۸۷

''تمہارا خط موصول ہوا، اس میں مرقوم ہے کہ میں مسلمانوں کے مال سے سوکنوں کو جمع کردوں حالانکہ مہاجرین کے بیٹوں میں سے کسی کے پاس ایک بیوی بھی نہیں کہ وہ اس کے ذریعہ عفیف اور پاک دامن رہے۔ خبردار! آئندہ مجھے اس قسم کی کوئی درخواست نہ کرنا۔ گھر کے برتن اور دوسرا سامان فروخت کرکے شادی کرلو''۔

ایک طرف تو حضرت عمرؒ نے اپنے بیٹے کو یہ لکھا اور دوسری طرف کوفہ کے گورنر کو یہ لکھا کہ تم نے لکھا ہے کہ فوجیوں کو مدد دینے کے بعد تمہارے پاس بیت المال میں رقم بچ گئی ہے، لہٰذا یہ بچی ہوئی رقم اسے دے دو جس پر واجبی قرض ہے یا پھر اس کو دے دو جس نے نکاح کر لیا ہو مگر اس کے پاس گھر کے اخراجات چلانے کے لیے نقد روپیہ نہ ہو[1]

(قصہ ۴۱) ﴿سرکاری مال ذاتی استعمال میں لانے سے اجتناب﴾

حضرت عمرؒ ایسے خلیفہ تھے کہ جنہوں نے اپنے خواص کو بھی یہ اختیار نہ دیا تھا کہ وہ سرکاری مال یا غلام یا جانور کو اپنی ذات کے لیے استعمال کریں۔

چنانچہ ایک دفعہ ایک غلام نے ایک شخص کو سرکاری گھوڑے پر آپ کی اجازت کے بغیر سوار کردیا۔ پہلے خلفاء کے لیے یہ ایک معمولی بات تھی اور اکثر وہ سرکاری سواریوں اور غلاموں کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرتے، لیکن حضرت عمرؒ نے اس کو بلا کر فرمایا:

''جب تک اس کا کرایہ بیت المال میں جمع نہیں کرائے گا تو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گا''۔

چنانچہ اس نے اس کا کرایہ بیت المال میں جمع کرادیا[2]

---

[1] سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۵۸

[2] سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ۱۵۸

(قصہ۴۲) ﴿ادائیگی زکوٰۃ میں تاخیر نہ کی جائے﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم کے مطابق زکوٰۃ کے منتظمین کو زکوٰۃ کی رقم تقسیم کرنے میں تاخیر کرنے کی ممانعت تھی۔ اور اگر وہ تاخیر کرتے تو ان سے اس بارے میں باز پرس ہوتی۔ چنانچہ وہ زکوٰۃ تقسیم کرنے میں کوئی تاخیر نہ برتتے۔ عیدالفطر کے موقع پر ایک شخص بہت سی زکوٰۃ کی رقم لایا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مشورے کے لیے اس نے اس کو روکے رکھا اور تقسیم نہ کیا۔ حضرت عمرؒ نے لکھا:

''بخدا! لوگوں نے مجھے اور تمہیں اپنے خیالات اور گمانوں کے مطابق نہیں پایا۔ آج تک تم نے اس زکوٰۃ کی رقم کو کیوں روکے رکھا؟ میرا یہ خط وصول ہوتے ہی فوراً اس رقم کو مستحق لوگوں میں تقسیم کرو''۔[1]

(قصہ۴۳) ﴿''ذمی'' کو حق مل گیا......﴾

حضرت عمرؒ نے جب شاہی خاندان سے غصب شدہ املاک چھین کر انہیں اصل مالکوں کو واپس کیا تو اس وقت ذمیوں کی مغصوبہ زمینیں بھی واپس لائیں۔ اس سلسلہ میں ایک ذمی نے دعویٰ دائر کیا کہ عباس بن ولید۔ جو شاہی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس نے میری زمینوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے عباس سے جوابِ دعویٰ کے لیے کہا۔ اس نے کہا: یہ زمین ولید نے مجھے جاگیر دی ہے اور میرے پاس اس کی دستاویز موجود ہے۔

ذمی نے اپنے دعوے کا یہ جواب سن کر کہا:

''امیر المومنین! میں آپ سے کتاب اللہ کے مطابق اس کا فیصلہ چاہتا ہوں''۔

آپؒ نے فرمایا: ''کتاب اللہ ولید کی سند پر مقدم ہے''۔ چنانچہ آپؒ نے عباس بن ولید سے زمین چھین کر ذمی کو واپس لوٹا دی۔[2]

---

[1] سیرۃ ابن جوزیہؒ ۸۵ [2] ایضاً (۱۰۴)، البدایہ والنہایہ (۹/۲۱۳)

(قصہ ۴۴) ﴿"ذمی" کے ساتھ حسن سلوک﴾

سیدنا حضرت عمرؒ کا حکم تھا کہ کوئی مسلمان کسی ذمی کے مال پر دست درازی نہ کرے۔ چنانچہ اس ہدایت کے اثرات تھے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے مال اور زمین پر دست درازی نہیں کر سکتا تھا اگر ایسا کرتا تو اُسے قرار واقعی سزا ملتی تھی۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک مسلمان ربیعہ شودی نے ایک سرکاری ضرورت کے تحت ایک نبطی کا گھوڑا بیگار میں پکڑ لیا اور اس پر سواری کی۔ یہ ایک معمولی بات تھی۔ آپ سے پہلے بھی ایسا ہوتا تھا لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس بات کا پتہ چلا تو اس عہدے دار کو چالیس کوڑے لگوائے تا کہ دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔[۱]

(قصہ ۴۵) ﴿ذِمیوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت﴾

ایک مرتبہ دو خارجیوں نے آ کر حضرت عمرؒ سے ذمیوں کے بارے میں استفسار کیا کہ کیا انہیں طاقت سے زیادہ تکلیف دی جا سکتی تھی؟ آپ نے جواب میں فرمایا: کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت کے اندر تکلیف دیتا ہے تو ہم کون ہیں جو ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف دیں؟

اس نے پھر پوچھا کہ اگر اہل ذمہ کے عبادت خانے یعنی گرجے وغیرہ ڈھا دیے جائیں تو کیا حرج ہے؟ حضرت عمرؒ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے اس کی یہ بات ہرگز نہیں مانی اور فرمایا یہ عبادت خانے اور گرجے میری رعایا کی صلاح اور فائدے میں شامل ہیں۔[۲]

(قصہ ۴۶) ﴿لوگوں کی سہولت کی فکر﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جس کام کے بارے میں یقین ہو جاتا کہ وہ لوگوں کے لیے مفید ہے تو آپ اس کے کرنے کا فوری حکم صادر فرما دیتے۔

---

[۱] طبقات ابن سعد (۲۷۶/۵) [۲] سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ۱۷

چنانچہ ایک مرتبہ عدی بن فضیل نے آ کر آپ سے عذبہ میں کنواں کھودنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے عدی سے پوچھا کہ عذبہ کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بصرہ سے دو دن کی مسافت پر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ ایسی جگہ پر پانی نہیں ہے۔ پھر آپ نے انہیں کنواں کھودنے کی اجازت مرحمت فرمادی کہ سب مسافر اس پانی کے حق دار ہیں۔ چنانچہ وہاں کنواں کھودا گیا اور تمام لوگ اس کنویں کے پانی سے مستفید ہوئے[1]

(قصہ ۴۷) ﴿نومسلم پر جزیہ نہیں﴾

سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دل میں یہ جذبہ ہر وقت اٹھکیلیاں لیتا رہتا تھا کہ اسلام زمین کے کونہ کونہ میں پھیل جائے اور لوگ غلط راہ چھوڑ کر صحیح راہ پر گامزن ہو جائیں۔ آپ نہایت زور و شور سے علماء کو لکھتے کہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دو۔ ذمیوں کے مسلمان ہونے کی صورت میں اگر کوئی حاکم خزانہ خالی ہونے کی شکایت کرتا تو آپ اسے ڈانٹ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھا: ''تم نے مجھے لکھا ہے کہ حیرہ کے بہت سے یہودی، عیسائی اور مجوسی مسلمان ہو گئے ہیں حالانکہ ان کے ذمے جزیہ کی بھاری رقم واجب الادا ہے۔ تم نے مجھ سے ان سے جزیہ وصول کرنے کی اجازت طلب کی ہے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خیر کی دعوت دینے والا بنا کر بھیجا ہے جزیہ وصول کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ اگر غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں تو ان کے مال میں صدقہ ہے جزیہ نہیں۔ ان کی میراث ان کے اعزاء و اقارب کے لیے ہے۔ اگر وہ ان میں سے نہ ہوں تو ان کی میراث مسلمانوں کے بیت المال میں جمع ہوگی اور اگر وہ کوئی خیانت کریں گے تو ان کی طرف سے ان کے مال سے دیت دی جائے گی[2]

---

[1] ایضاً ص ۱۷۸ [2] سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۸۸

(قصہ ۴۸) ﴿حضرت عمرؒ کی خلافت سے بے نیازی﴾

ایک مرتبہ بنوامیہ کے کچھ لوگوں نے اکٹھے ہو کر آپ سے کہا کہ گذشتہ خلفاء ہمارے ساتھ جو حسن سلوک اور الطافِ خسروانہ کرتے تھے آپ نے ان سب میں کمی کر دی ہے جس کی وجہ سے ہمارے عیش و آرام اور گذران میں مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ اس طریقہ سے انہوں نے آپ پر نہایت برہمی کا اظہار کیا آپؒ نے ان کی ان سب باتوں کو نہایت غور سے سنا اور پھر دھمکی آمیز لہجے میں فرمایا:

''اگر آئندہ پھر تم نے اس قسم کی باتیں کیں تو سن لو! میں نہ صرف تمہارا شہر بلکہ عنانِ خلافت چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلا جاؤں گا اور خلافت کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑ دوں گا۔ میں اس کے اہل (قاسم بن عبداللہ) کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔''[۱]

(قصہ ۴۹) ﴿''نسبتِ شاہی'' معیارِ عزت نہیں......!﴾

حضرت عمرؒ نے ابوبکر بن محمد کو لکھا کہ شاہی خاندان کے کسی فرد کو صرف اس لیے کسی بات پر ترجیح نہ دو کہ اس کا تعلق شاہی خاندان سے ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک ان میں اور دوسرے عام مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

پھر آپؒ نے اپنے اس حکم کا عملی مظاہرہ اس طرح کیا کہ ایک دفعہ مسلمہ بن عبدالملک ایک مقدمہ کے فریق کی حیثیت سے آپ کی مجلس میں آیا اور آکر درباری فرش پر بیٹھ گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ دوسرے فریقِ مقدمہ کی موجودگی میں آپ کو اس درباری فرش پر بیٹھنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ تم عام مسلمانوں کے برابر بیٹھو یا کسی دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کر دو۔ یہ الفاظ آپ نے اس شخص کو کہے جو آپ کی اہلیہ کا بھائی تھا.........[۲]

اپنی ملت پہ قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمیؐ

---

[۱] طبقات ابن سعد (۵/۲۵۳) [۲] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۴۷

(قصہ ۵۰) حضرت عمرؒ کی مومنانہ بصیرت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب کسی کو قاضی مقرر کرتے تو اس کے بارے میں تحقیق کروا کر ساری معلومات جمع کرتے کہ یہ تقوی وطہارت میں کیسا ہے؟ علم وفقہ میں اس کا کیا مرتبہ ہے؟ اس کے ظاہر وباطن میں کوئی فرق ہے کہ نہیں؟ یہ تحقیق آپ اس لیے کرتے کہ کہیں آپ کسی کے ظاہری حالات سے دھوکہ نہ کھائیں۔ جب پورا پورا اطمینان ہو جاتا تو پھر آپ اس کو قاضی یا عامل مقرر فرماتے۔ چنانچہ بلال بن ابی بردہ کو آپ نے اسی تحقیق و تفتیش سے مسترد کیا تھا۔

بلال بن ابی بردہ ایک ہوشیار ذہین، ذکی اور نہایت عقل مند شخص تھا۔ وہ بظاہر بڑا دیندار تھا لیکن اس کا باطن اتنا ہی خراب تھا۔ یہ نہایت لالچی، اور حریص تھا۔ یہ ''خناصرہ'' میں حضرت عمرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو ان الفاظ میں خلافت کی مبارکباد دی۔ اس نے کہا:

''امیر المومنین! اگر خلافت کو کسی سے شرف حاصل ہوا تو آپ سے خلافت کو شرف حاصل ہوا ہے اور اگر خلافت کو کسی سے زینت ملی ہو تو آپ سے خلافت کو زینت ملی ہے۔''

حضرت عمرؒ کی تعریف کرنے کے بعد یہ شخص مسجد میں گیا اور ایک ستون کے پاس کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ حضرت عمرؒ نے علاء بن مغیرہؒ سے کہا کہ اگر اس کا باطن بھی ظاہر کی طرح ہے تو یہ واقعی عراق کا حاکم ہونے کا اہل ہے اور اس کی خدمات سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ علاء نے کہا: ابھی تحقیق کر کے اس کے مکمل حالات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

چنانچہ وہ اسی وقت مسجد میں گئے۔ دیکھا کہ وہ مغرب اور عشاء کے مابین لگاتار نوافل پڑھ رہا ہے۔ علاء نے بلال سے کہا: آپ جلدی سے نماز سے فارغ ہو جایئے مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ یہ سن کر وہ جلدی سے نماز سے فارغ ہوا اور علاءؒ کے پاس آ گیا۔ علاء نے بات کا آغاز اس طرح کیا: ''آپ کو پتہ ہے کہ امیر المومنین کی نگاہ میں میرا

کیا مقام ہے اگر میں امیرالمومنین کے سامنے عراق کی گورنری کے لیے آپ کا نام پیش کر دوں تو آپ مجھے کیا دیں گے۔ بلال نے کہا: میں اس کے بدلے میں آپ کو ایک سال کی تنخواہ دے دونگا جو کہ دس لاکھ بنتی ہے۔ علاء نے کہا: آپ مجھے یہ تحریر لکھ دیں۔ حریص تو یہ تھا ہی اس لئے جلدی سے گھر گیا اور ایک تحریر لکھ کر علاء کو دے دی۔ علاء حضرت عمرؒ کے پاس یہ تحریر لے آئے۔ جب امیرالمومنین نے یہ تحریر دیکھی تو آپ نے کوفہ کے گورنر کو لکھ دیا کہ بلال نے اللہ تعالیٰ کے نام پر ہمیں دھوکہ دیا ہے اور قریب تھا کہ ہم اس کے فریب میں آ جائیں لیکن جب ہم نے اسے پگھلا کر دیکھا تو اس میں سراسر کھوٹ بھرا ہوا تھا۔[1]

(قصہ ۵۱) ﴿ایک شخص کی باطنی حالت کی تحقیق﴾

ایک مرتبہ خراسان کا رہنے والا ایک شخص حضرت عمرؒ کے پاس آیا اور آپؒ سے کہا: امیرالمومنین! میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک کہنے والا کہہ رہا ہے: جب بنی امیہ کا اشج برسر اقتدار آئے گا تو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے۔ چنانچہ ولید بن عبدالملک برسر اقتدار آیا تو میں نے اس کے بارے میں تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ اشج (زخمی) نہیں ہے پھر سلیمان بن عبدالملک مسند خلافت پر بیٹھا تو اس کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ وہ بھی اشج نہیں ہے پھر زمامِ خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی تو پتہ چلا کہ آپ اشج ہیں۔

حضرت عمرؒ نے پوچھا: کیا تو قرآن پڑھا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ فرمایا: تجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے تجھے قرآن کی نعمت بخشی ہے کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپؒ نے اس کو سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرالیا۔ یہ دو مہینے ٹھہرا رہا۔

ایک روز حضرت عمرؒ نے اسے بلا کر فرمایا: جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں روکا؟ بولا: نہیں۔ فرمایا: ہم نے آدمی بھیج کر تمہارے بارے میں پوری پوری تحقیقات کروائیں ہیں تو

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ

ہمیں پتہ چلا کہ تمہارے بارے میں دوست اور دشمن سب کی ایک ہی رائے ہے۔ وہ شخص حضرت عمرؒ کی بات سمجھ گیا اور اپنے شہر واپس چلا گیا۔[1]

(قصہ ۵۲) «''قضاۃ'' کے لئے سنہری اصول»

ایک روایت میں ہے کہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے عنبر کا ایک ٹکڑا لایا گیا۔ ایک شخص اُس بات کا منتظر تھا کہ عنبر کا یہ ٹکڑا حضرت عمرؒ کے سامنے پیش ہو اور میں اس سے رقم وصول کروں۔ ہوا یہ کہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد حضرت عمرؒ کے سامنے عنبر کا ایک بہت بڑا ٹکڑا پیش کیا گیا۔ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: امیر المومنین! یہ عنبر کا ٹکڑا میرا ہے حضرت عمرؒ نے پوچھا: یہ قصہ کیا ہے؟ بولا: میں نے یہ عنبر سلیمان کو سات ہزار میں فروخت کیا تھا جبکہ اس کی اصل قیمت اٹھارہ ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت عمرؒ نے کہا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ کیا انہوں نے تجھے ڈرایا تھا؟ اس نے کہا: بالکل نہیں۔ فرمایا: کیا انہوں نے تجھ پر جبر کیا تھا یا یہ عنبر تجھ سے زبردستی چھینا تھا؟ بولا: بالکل نہیں۔ پوچھا: پھر کیا بات ہے؟ بولا: امیر المومنین! یہ میرا عنبر ہے، حضرت عمرؒ نے حکم دیا کہ تحقیق حال کے لیے مقدمہ کی تاریخ ڈال دی جائے۔ کیونکہ اس عنبر میں اس شخص کا حصہ معلوم نہیں ہوتا۔[2]

(قصہ ۵۳) «خلیفۂ وقت عدالت کے کٹہرے میں»

سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کا نظریہ یہ تھا کہ اس وقت تک عدالت کا کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ قاضی ایک ناقابل تسخیر قوت اور نہ ٹوٹنے والے غلبہ کا مالک نہ ہو۔ اور یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ قاضی کا فیصلہ ہر ایک پر نافذ ہو حتیٰ کہ امام اور خلیفہ پر بھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حلوان کا ایک مصری حضرت عمرؒ کے پاس آیا۔ اور عرض کیا کہ آپ کے والد عبدالعزیزؒ نے مصر کی گورنری کے زمانہ میں میری جائداد غصب کر لی تھی۔ اس نے حضرت عمرؒ کو ڈانٹا بھی۔ حضرت عمرؒ اس کی باتوں سے نرم بھی ہو گئے اور شفیق بھی۔ اور اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ

---

[1] سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۰۶ [2] ایضاً

کر سکے۔ آپ نے اس حلوانی کو سمجھایا کہ مجھ سے شریفانہ طور پر جھگڑو اور میری ذاتیات پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اس جائیداد میں میرے ساتھ میرے بہن بھائی بھی شریک ہیں اگر میں صرف تیرے کہنے پر تجھے یہ جائیداد واپس لوٹا دوں تو میرے بہن بھائی کیا کہیں گے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تو قاضی کے پاس اپنا مقدمہ لے جا۔ چنانچہ اس نے قاضی کے ہاں مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی نے دونوں سے بیانات سن کر مصری کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ حضرت عمرؒ نے قاضی سے کہا کہ ہم نے جائیداد پر دس لاکھ درہم خرچ کیے ہیں۔ قاضی نے غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ بقدر خرچ اس جائیداد سے آمدنی بھی ہوگئی ہے چنانچہ قاضی نے جائیداد واپس کر دی۔ حضرت عمرؒ نے قاضی کے فیصلہ کی تحسین فرمائی اور خود کھڑے ہو کر زمین کی ملکیت کی دستاویز مصری کو دے دی[۱]

(قصہ ۵۴) ﴿زہر دینے والے غلام پر احسان﴾

اموی امراء نے حضرت عمرؒ کو راستے سے ہٹانے کی ٹھان لی تھی۔ اور انہوں نے اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ آپ کے ایک غلام کو ایک ہزار دینار دے کر آپ کو زہر دلوا دیا۔ آپ کو اس بات کا علم ہوگیا لیکن آپ نے غلام پر کوئی سختی نہ کی صرف اس سے ایک ہزار دینار واپس لے کر ان کو بیت المال میں داخل کر دیا اور غلام کو آزاد کر دیا۔

طبیب کو بلایا گیا۔ اس نے بھی زہر کی تشخیص دی لیکن آپ نے علاج کروانے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ غلام کا راز فاش نہ ہو اور کوئی اس پر سختی نہ کرے اور فرمایا: اگر مجھے یہ بھی یقین ہو جاتا کہ میرے کان کی لو کے پاس میری شفا ہے تو بھی میں اس کے لیے ہاتھ نہ بڑھاتا[۲]

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں ۲۷۶، البدایہ والنہایہ جلد ص ۲۱۰

[۲] البدایہ والنہایہ ۲۰۹/۹، تاریخ الخلفاء ۲۴۷

(قصہ ۵۵) ﴿میری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے﴾

حضرت عمرؒ کی وفات ایک ولی اللہ کی دعا سے ہوئی۔ عبداللہ بن زکریاؒ اس زمانہ کے بڑے اولیاء میں سے تھے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے آدمی بھیج کر ان کو بلایا اور ان سے کہا: جانتے ہو کہ میں نے آپ کو کیوں بلوایا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا! ایک نہایت ضروری کام کے لیے بلوایا ہے لیکن وہ بتاؤں گا اس وقت جب آپ قسم کھائیں کہ وہ کام ضرور کریں گے۔ عبداللہ بن زکریاؒ نے کہا آپ کام بتائیں میں ضرور تعمیل کروں گا۔ فرمایا: پہلے قسم کھاؤ۔ انہوں نے قسم کھائی۔ فرمایا: اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اپنے پاس بلا لے۔ عبداللہ رحمہ اللہ نے کہا کہ تب تو میں مسلمانوں میں سے بدترین شخص آپ کے پاس آیا ہوں اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا بدترین دشمن ہوں۔ حضرت عمرؒ نے کہا آپ نے قسم کھالی ہے۔ آخر کار عبداللہ نے اپنی قسم پوری کرتے ہوئے آپ کی موت کی دعا مانگی لیکن دعا مانگتے ہوئے بہت ہچکچائے اور بادل نخواستہ ان الفاظ میں دعا مانگی: ''اے اللہ! آپ کے بعد مجھے بھی زندہ نہ رکھ''۔ جب عبداللہ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ اتنے میں حضرت عمرؒ کا ایک چھوٹا بچہ آ گیا۔ آپ نے عبداللہ سے کہا کہ اس کے لیے بھی دعا مانگیں کیونکہ مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ عبداللہ نے اس بچہ کے لیے بھی دعا مانگی۔ پھر یوں ہوا کہ حضرت عمرؒ کے انتقال کے بعد حضرت عبداللہ رحمہ اللہ بھی جلد ہی انتقال فرما گئے۔ پھر وہ بچہ بھی فوت ہو گیا۔[1]

؎ نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
مری نظروں میں پھیکا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

(قصہ ۵۶) ﴿مرضِ وفات کا ایمان افروز واقعہ﴾

سبب طبعی ہو یا زہر خورانی آپ کو جب زندگی سے مایوسی ہوگئی تو اپنے بعد نامزد شدہ خلیفہ یزید بن عبدالملک کے لیے مندرجہ ذیل وصیت نامہ لکھوایا:

''میں تمہارے لیے یہ وصیت نامہ اس حالت میں لکھوا رہا ہوں کہ میں بیماری سے

---

[1] سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۱۱۶

نہایت لاغر ہوگیا ہوں میرے قویٰ مضمحل ہوگئے ہیں تم کو معلوم ہے کہ قیامت کے روز امورِ خلافت کے بارے میں مجھ سے سوال کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کا حساب لے گا اور میں اس سے اپنا کوئی عمل فعل چھپا نہ سکوں گا کیونکہ حق تعالیٰ شانہ خود ہی فرمایا ہے:

فلنقص عليهم بعلم وما كنا غائبين[1]

''ہم ان کو علم سے قصہ سناتے ہیں اور ہم غائب نہ تھے''

اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہوگیا، تو میں کامیاب و کامران ہوا، اور میں نے ایک طویل عذاب سے نجات پائی اور اگر وہ مجھ سے ناراض ہوا تو میرے انجام پر جتنا افسوس کیا جائے وہ کم ہے میں اس اللہ تعالیٰ سے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، نہایت عجز و نیاز سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی رحمت سے عذابِ جہنم سے نجات عطا فرمائے اور اپنی رضا سے جنت الفردوس عطا فرمائے۔

میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اختیار کرنا اور رعایا کا خیال رکھنا کیونکہ میرے بعد تم صرف تھوڑے دن زندہ رہو گے۔ تمہیں اس بات سے بھی سخت احتراز کرنا چاہئے کہ تم سے غفلت اور جہالت میں ایسی لغزش سرزد ہو جس کی تم تلافی نہ کرسکو۔ سلیمان بن عبدالملک اللہ کا بندہ تھا، اللہ سبحانہ نے اسے وفات دی اور اس کے بعد مجھے خلیفہ بنایا اور میرے بعد تم کو ولی عہد مقرر کیا۔ میں جس حالت میں تھا اگر وہ اس لیے ہوئی کہ میں بہت سی بیویوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت اکٹھا کروں تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس سے بہتر سامان مہیا کیے تھے جو وہ کسی بندہ کو مہیا کرسکتا ہے لیکن میں سخت اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں سوائے اس کے اللہ تعالیٰ میری دستگیری فرمائے''۔[2]

مسلمہ بھی آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے آپ کے اہل و عیال کے بارے میں آپ سے کہا: امیر المومنین! آپ نے اپنی اولاد کا اس مال و دولت سے ہمیشہ منہ خشک رکھا ہے اور آپ ان کو ایسی حالت میں چھوڑے جاتے ہیں کہ ان کے پاس دنیا کے مال و متاع کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ آپ ان کے بارے میں مجھے یا اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو کچھ

---

[1] [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ لابن جوزی ص ۲۸۰

وصیت کر جائیں۔ یہ سن کر فرمایا: ''مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو''۔ چنانچہ انہوں نے بٹھا دیا، پھر فرمایا: تمہارا یہ کہنا کہ اس مال میں سے میں نے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا ہے، خدا کی قسم! میں نے ان کا کوئی حق تلف نہیں کیا البتہ جوان کا حق نہیں تھا وہ ان کو نہیں دیا۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ میں تمہیں یا خاندان کے کسی اور فرد کو وصیت کرتا جاؤں، تو سنو!'' اس معاملہ میں میرا وصی اور ولی اللہ تعالیٰ ہے۔ جو صلحاء کا ولی ہوتا ہے میرے لڑکے اگر تقویٰ اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی سبیل نکال دے گا اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کو گناہ کے لیے قوی اور طاقتور نہ بناؤں گا۔ اس کے بعد صاحبزادگان کو بلا کر نم ناک اور اشکبار آنکھوں سے فرمایا:

''میری جان! میں تم پر قربان! جن کو میں نے خالی ہاتھ چھوڑا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے تم کو اچھی حالت میں چھوڑا ہے۔ میرے بچو! تم کسی ایسے عرب اور ذمی سے نہ ملو گے جس پر تمہارا حق نہ ہو۔ عزیز بچو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی، ایک یہ کہ تم متمول اور دولت مند ہو جاؤ، اور تمہارا باپ جہنم میں جائے۔ دوسرے یہ کہ تم محتاج رہو اور تمہارا باپ جنت میں داخل ہو۔ ان دونوں باتوں میں سے اس کو یہ زیادہ پسند تھا کہ تم محتاج رہو اور وہ جنت میں جائے اچھا، اب جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے[1]

(قصہ ۵۷) ﴿فلک شبنم افشانی کرے تیری تربت پر﴾

حضرت عمر رحمہ اللہ نے موت کے لیے بالکل تیار ہونے کے بعد ایک ذمی سے قبر کے لیے زمین خریدی۔ اس نے قیمت لینے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میرے لیے یہ بڑی سعادت اور خیر و برکت کا باعث ہے کہ آپ میری زمین میں دفن ہوں لیکن آپؒ نے اس کے اس عذر کو قبول نہ کیا اور نہایت اصرار کے ساتھ اسے زمین کی قیمت ادا کی۔ پھر تجہیز و تکفین اور دفن کے بارے میں کچھ ضروری وصیتیں کیں اور رسول اللہ ﷺ کے ناخن اور موئے

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص الخلیفہ العادل ص ۱۱۹

مبارک جو ایک مسلمان کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں انہیں اپنے کفن میں رکھنے کی ہدایت اور وصیت فرمائی۔ جب روح کے قفس عنصری سے نکلنے کا وقت آیا۔ تو اس وقت زبان پر یہ آیت تھی۔

تلک الدار الاخرة نجعلها للذین لایریدون علوّا فی الأرض ولا فساد او العاقبة للمتّقین۔[1]

"یعنی یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو زمین میں تو برتری چاہتے ہیں اور نہ فساد، اور انجام کار متقیوں کے لئے ہے"

اسی آیت کی تلاوت کرتے کرتے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

روایات میں یہ بھی ہے کہ جب آپ کی بیماری زور پکڑ گئی اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو گرجا کا پادری آپ کے پاس ہدیہ کے طور پر گرجا کے درختوں کے نئے پھل لایا حضرت عمرؒ نے یہ پھل نہایت خوشی اور مسرت سے قبول کر لیے اور حکم فرمایا کہ پادری کو اس کی قیمت ادا کردی جائے لیکن پادری نے ان پھلوں کی قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ آپؒ نے اس کو سمجھا بجھا کر قیمت لینے پر راضی کر لیا چنانچہ اس نے قیمت لے لی۔ پھر سیدنا عمرؒ نے اس پادری سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے میں اس بیماری سے صحت یاب ہونے والا نہیں۔ آپ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر پادری کو سخت صدمہ ہوا اور اس کے دل میں رقت پیدا ہوگئی جس سے وہ رونے لگا۔ پھر سیدنا عمرؒ نے اس سے فرمایا: مجھے پتہ چلا ہے کہ اس گرجا کے ساتھ جو ملحقہ زمین ہے وہ تمہاری ملکیت ہے اس زمین میں سے تم مجھے ایک سال کے لیے میری قبر کے لیے جگہ دے دو جب ایک سال گزر جائے تو تمہیں اس زمین پر ہل چلانے کا اختیار ہے۔ مختصر یہ کہ اس پادری سے ایک قبر کی جگہ کا سودا ہو گیا اور اس کی قیمت ادا کر دی گئی۔ قبر کی قیمت میں اختلاف ہے۔ کتابوں میں دو دینار سے لے کر پچاس دینار تک آیا ہے۔[2]

---

[1] القصص/۸۳

[2] العقد الفرید جلد۴ ص ۴۲۷ بحوالہ الخلیفہ العادل ص ۱۱۹

(قصہ ۵۸) ﴿آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو﴾

حضرت عمرؒ اس جگہ دفن کیے گئے جو انہوں نے خریدی تھی۔ آپ کی قبر پر مسلمہ بن عبدالملک نے کھڑے ہو کر فرمایا: بخدا! آپ کی طبیعت میں ہمیشہ نرمی اور بردباری ہی رہی حتی کہ آپ نے یہ قبر دیکھ لی۔ آپ کے دفن پر ایک سال گذر گیا اور امیرالمومنین کے قول کے مطابق پادری کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ آپ کی قبر کو برابر کر کے اس زمین پر کاشت شروع کر دے لیکن اس نے آپ کی قبر کو زمین کے ساتھ برابر نہ کیا بلکہ اس کی حفاظت کی اور اس کے راستے کو شاندار بنا دیا تاکہ لوگ آپ کی قبر کی زیارت کے لیے آتے رہیں اور آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں اور آپ کی خاکِ قبر کو اپنے آنسوؤں سے بھگوتے رہیں۔ چنانچہ لوگ اکثر آپؒ کی قبر کی زیارت پر فریفتہ تھے۔ ہشام بن الغار بیان کرتے ہیں کہ کریم دابق سے واپس آتے ہوئے ایک منزل پر ٹھہرے۔ جب ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو مکحول ہمیں بتائے بغیر ہم سے غائب ہو گئے۔ جب ہم بہت دور نکل گئے تو ہم نے انہیں آتے دیکھا۔ ہم نے پوچھا: کہاں گئے تھے۔ جواب دیا: عمر بن عبدالعزیزؒ کی قبر پر گیا تھا وہ یہاں سے پانچ میل دور ہے اور آپ کے لیے دعا کر کے آیا ہوں۔ پھر فرمایا: اگر میں قسم کھاؤں تو اپنی قسم میں حانث نہیں ہوں گا کہ آپ اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اور اس زمانہ میں ان سے زیادہ اور کوئی پارسا نہ تھا۔[1]

؎ آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

(قصہ ۵۹) ﴿تربیتِ اولاد کا ثمرہ﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارہ (۱۲) بیٹے تھے لیکن ان میں عبدالملک سب سے زیادہ پاکباز اور نیک سیرت تھے۔ سیدنا عمرؒ بھی ان کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔ عبدالملک اپنے والد کے دوش بدوش سرگرم عمل رہتے تھے حتی کہ مغصوبہ زمینوں کے معاملات میں ان

---

[1] سیرۃ ابن جوزیہ ص ۲۹

کی رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔

میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؒ نے مجھے، مکحول اور قلابہ کو بلایا اور فرمایا: ''تم لوگ ان مالوں کے بارے میں جو لوگوں سے ظلماً چھینے گئے ہیں، کیا کہتے ہو؟'' مکحول نے جو رائے پیش کی اسے حضرت عمرؒ نے پسند نہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ آئندہ احتیاط برتی جائے اور سابقہ مالوں کو بحال رکھیں۔ میں نے عرض کیا: ''امیر المومنین! آپ اپنے صاحبزادے عبدالملک کو بلالیں کیونکہ وہ بھی نہایت اہل ہیں اور ہم سے کم نہیں ہیں۔ وہ حدیث وفقہ پڑھ چکے ہیں اور اب ان کا شمار فقہائے مدینہ کی صف اول کے لوگوں میں ہوتا ہے۔'' جب آپ آ گئے تو آپ نے اس سے بھی یہی سوال کیا۔ عبدالملک نے جواب دیا کہ میرے خیال میں تو آپ انہیں حق داروں کو واپس کر دیں۔ اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو غاصبوں کے اس غصب میں آپ بھی شریک سمجھے جائیں گے'' [1]

(قصہ ۶۰) ﴿خلافت کی قدر ومنزلت﴾

عبدالملک بن عمر بن عبدالعزیز رحمھم اللہ نے بچپن ہی میں اپنے والد کی بنسبت اپنے نفس پر زیادہ قابو پالیا تھا حالانکہ حضرت عمرؒ خلیفہ تھے اور کہولت کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت عمرؒ کو غصہ آیا۔ پھر جب آپ کا غصہ ختم ہوا تو عبدالملک نے آپ سے کہا: ''امیر المومنین! کیا اللہ کی رحمتوں کی اور اس کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند مقام عطا فرمایا ہے اور آپ کو اپنے بندوں کا امیر بنایا ہے یہی قدر ومنزلت ہے......؟ کہ آپ کو اتنا شدید غصہ آئے جو اس وقت میرے مشاہدے میں آیا ہے''۔

سیدنا عمرؒ نے فرمایا: ''بیٹا! تم نے کیا کہا؟ ذرا پھر دہراؤ۔

چنانچہ عبدالملکؒ نے اپنی بات دہرائی۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا: ''عبدالملک! کیا تم کو غصہ نہیں آتا؟ جواب دیا کہ میرا پیٹ میرے کس کام آئے گا اگر میں اس میں غصہ نہ لوٹاؤں، حتیٰ کہ ذرا سا غصہ بھی ظاہر نہ ہونے دوں'' [2]

---

[1] سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ۲۳۷، ۲۳۸ [2] ایضاً ص ۲۳۸

(قصہ ۶۱) ﴿عظیم باپ عظیم بیٹا﴾

جب حضرت عمرؒ سلیمان کو دفن کر کے فارغ ہو گئے اور تمام مغصو بہ جائیدادیں بیت المال میں جمع کر دیں اور تمام خانگی سامان وغیرہ فروخت کر چکے اور لونڈیوں کو آزاد کر چکے تو تمام رات سو نہ سکے۔ پھر صبح کو ظہر تک یہی کام سرانجام دیتے رہے اور ظہر کی نماز پڑھ کر آرام کرنا چاہا تو آپ کے صاحبزادے عبدالملک آپ کے پاس آئے اور پوچھا:

''امیرالمومنین! اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟''

آپ نے جواب دیا: ''جانِ پدر! اب میں ذرا سا سو کر آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

پوچھا: ''ابا جان! کیا آپ مغصو بہ جائیدادوں اور زمینوں کو واپس دلائے بغیر سونا چاہتے ہیں؟''

فرمایا: میرے پیارے بچے! کل رات میں تمہارے چچا کی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں تمام رات جاگتا رہا اب میں تھوڑی دیر سونے کے بعد باقی کام انجام دونگا کیونکہ اب مجھ پر نیند کا غلبہ ہے۔

عبدالملک نے کہا: ''امیرالمومنین! کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ سو کر اٹھیں گے؟ حالانکہ مستقبل میں ایک لمحے کے بارے میں بھی بھروسہ نہیں ہے''۔

حضرت عمرؒ نے فرمایا: ''جانِ پدر! ذرا میرے قریب آؤ'' ....عبدالملک باپ کے قریب گئے تو باپ نے انہیں گلے سے لگالیا، پیشانی سر اور منہ کو چوما اور حق تعالیٰ شانہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اتنا نیک اور صالح بیٹا عطا فرمایا جوان کی دین کے کاموں میں اعانت و مدد کرتا ہے۔

بیٹے کی یہ بات سن کر آپ باہر گئے اور بالکل آرام نہ فرمایا اور باہر جا کر اعلان کروا دیا کہ جس کسی پر کسی کا کوئی ظلم ہوا ہو وہ امیرالمومنین کے سامنے آ کر بیان کرے[1]

---

[1] سید عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۵۴

(قصہ ۶۲) ﴿بیٹے کا والد کو آخرت یاد دلانا﴾

ایک روز حضرت عمرؒ کے صاحبزادے عبدالملکؒ اپنے والد کے پاس آئے۔ دیکھا کہ حضرت عمرؒ اپنے چچازاد بھائی مسلمہ کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے والد کو تنہائی میں بلایا تاکہ کچھ کہا جاسکے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا کیا کوئی راز کی بات ہے جو تم نے مجھے تنہائی میں بلایا۔ عبدالملک نے کہا: ''ہاں۔ مسلمہ کھڑے ہوگئے اور آپ اپنے والد کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ گئے اور کہا: ''امیر المومنین! کل قیامت کے روز آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے جب وہ آپ سے پوچھے گا: عمر! تو نے بدعت دیکھی تھی لیکن اسے مٹانے کی کوشش نہیں کی تھی یا تو نے مردہ سنت (ترک کی ہوئی سنت) کو زندہ کرنے کی کوئی جدوجہد نہ کی تھی؟''

حضرت عمرؒ نے فرمایا: ''جانِ پدر! کیا اس نصیحت پر تم کو کسی شے نے آمادہ کیا ہے یا تم یہ بات اپنے دل سے کہہ رہے ہو''؟ عبدالملکؒ نے کہا: ''نہیں نہیں بخدا! یہ بات میں اپنے دل سے کہہ رہا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ سے روز قیامت اس کے بارے میں پوچھا جائے گا، لیکن آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

سیدنا عمرؒ نے فرمایا: ''لختِ جگر! اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور تم پر اپنی رحمتیں نچھاور کرے۔ تم نیکی اور صلاح کے لیے میرے بہترین معاون ثابت ہوگے۔ بیٹا! یاد رکھو، تمہاری قوم نے خلافت میں بے شمار گانٹھیں لگا دی ہیں اور بڑی لمشکلات پیدا کر دی ہیں اور ظلم کی بنیادیں مضبوط اور مستحکم بنادی ہیں اور جب میں ان کے مغصوبہ اموال اور جبراً قبضہ کی ہوئی جائیدادوں کی واپسی کے بارے میں جھگڑتا ہوں تو مجھے ایسی پھوٹ اور تفرقہ پڑ جانے کا خدشہ لگا رہتا ہے جس سے خون خرابہ کی نوبت آ جائے، بخدا! میرے نزدیک دنیا کا فنا ہو جانا آسان ہے لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کا ایک قطرہ خون بھی نکلے۔

کیا تو اس پر راضی نہیں کہ کبھی تیرے باپ کو وہ مبارک دن دیکھنا نصیب ہوگا جس روز

وہ بدعت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے گا اور تمام دنیا کو سنت کے انوار سے جگمگا دے گا یہاں تک کہ حق تعالیٰ شانہ فیصلہ فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے[1]

(قصہ ۶۴) ﴿صاحبزادے کی ایمان افروز وفات﴾

سیدنا عمرؒ کا سعادت مند اور نیک و پارسا بیٹا عبدالملک جب اپنے اردگرد غیر شرعی ماحول دیکھتا اور اہل اقتدار کے مظالم کا مشاہدہ کرتا تو اندر ہی اندر کڑھتا رہتا۔ اس کی یہ کڑھن اس کو دبلا کرتی رہی حتی کہ وہ انتہائی لاغر اور کمزور ہو کر مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف ۱۹ سال تھی جب کہ عام بچے اس عمر میں لہو ولعب کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ اپنی اس بیماری میں بھی خوش تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنے اس بچے سے بے حد محبت تھی وہ ان کی عیادت کے لیے جاتے اور پوچھتے: بیٹا! تمہارا کیا حال ہے؟ عبدالملک اس خیال سے کہ میرے باپ کو صدمہ نہ ہو اپنا حال چھپاتے اور کہتے الحمدللہ! میں اچھا ہوں۔ لیکن حضرت عمرؒ مرض کو بھی دیکھ رہے تھے کہ جان لیوا ہے اور مریض کو بھی دیکھ رہے تھے کہ موت کے کنارے پر پہنچا ہوا ہے اور آپ کو یہ بھی پتہ تھا کہ بیٹا اپنی موت سے خوش ہے، اس لیے ایک روز انہوں نے کہا: ''بیٹا! مجھ سے اپنی طبیعت کے بارے میں صحیح صحیح بات کرو کیونکہ تمہارے بارے میں مجھے تمہاری موت ہی زیادہ پیاری ہے۔

اب عبدالملک نے کہا: ''ابا جان! میں اپنے کو موت کی آغوش میں پاتا ہوں۔ لہٰذا آپ آخرت کے اجر کے لئے صبر سے کام لیں کیونکہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کا اجر مجھ سے بہتر ہے۔ بیٹے کے منہ سے یہ الفاظ سن کر باپ کا دل بیٹھ گیا۔ پھر حضرت عمرؒ یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے کہ بیٹا! بخدا! میری میزان میں تمہارا ہونا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ تمہاری میزان میں میں ہوں، اور پھر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ آپ کے غلام مزاحم نے عبدالملکؒ کی موت کی خبر دی۔

اس دردناک خبر کا سننا تھا کہ حضرت عمرؒ بے ہوش ہو کر گر پڑے[2]

---

[1] صفۃ الصفوۃ (۷۲/۲) بحوالہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ

[2] الخلیفۃ العادل ص ۱۱۷

(قصہ ۶۴) «"لختِ جگر" کی وفات پر مثالی صبر»

عبدالملکؒ کے فوت ہونے کے بعد حضرت عمرؒ جب ان کی تجہیز و تکفین اور دفن سے فارغ ہوئے اور قبر کو ہموار کر چکے تو آپ کی قبر پر قبلہ رو کھڑے ہوئے اور آپ کے چاروں طرف لوگ کھڑے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا:

"بیٹا! اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں نچھاور کرے تمہاری پیدائش باعث مسرت تھی اور تمہاری اٹھان نیکیوں سے بھرپور تھی، مجھے یہ بھی گوارا نہ تھا کہ میں تجھے آواز دوں اور تو میری آواز پر لبیک کہے یعنی مجھے تمہاری تھوڑی سی تکلیف بھی گوارا نہ تھی۔ آج مجھے تم کو اس جگہ رکھ کر جس جگہ تم کو اللہ تعالیٰ نے لوٹا دیا ہے بے انتہا مسرت ہو رہی ہے اور تمہارے اجر و ثواب سے جو مجھے صلہ ملنے والا ہے اس کی مجھے بہت توقع ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو درگذر فرمائے اور تمہاری نیکیوں کا تمہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے دعا کرنے والے پر اپنا رحم فرمائے خواہ وہ دعا کرنے والا آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، حاضر ہو یا غائب یعنی جو بھی خلوص سے تمہارے لیے دعا کرے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی ہیں اور اس کے حکم کے آگے سرنگوں ہیں۔ پھر جب حضرت عمرؒ اپنے لختِ جگرؒ کی قبر سے واپس آئے تو لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قابل فخر فرزند کی وفات کا بڑا صدمہ تھا، لوگ ہمیشہ اس پر افسوس کرتے رہیں گے اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہیں گے۔ پھر جب آپ اپنے گھر آئے تو لوگ تعزیت کرنے کے لیے آئے۔ آپ نے ان کے سامنے صبر کی تلقین کی اور فرمایا: "جو چیز عبدالملک پر اتری اسے ہم بخوبی جانتے تھے اور جب وہ واقع ہوگی تو ہمارے لیے تو یہ چیز اجنبی اور انوکھی نہ تھی"۔[1]

(قصہ ۶۵) «رزقِ حلال کی برکت کا مثالی واقعہ»

حضرت عمرؒ نے ساری زندگی اپنی اولاد کو مال حرام سے بچائے رکھا اور تھوڑا بہت جو حلال رزق ملا وہ دے دیا اس عمل کی برکت کا مشاہدہ درج ذیل واقعہ سے ہوتا ہے۔

---

[1] البیان والتبیین (۱۸۱/۲) بحوالہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ

خلیفہ منصور نے عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر سے ایک مرتبہ کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ وہ بولے: اپنے مشاہدات سے یا سنی سنائی باتوں میں سے؟۔ عرض کیا: اپنے مشاہدات میں سے نصیحت فرمادیجئے۔ بولے: عمر بن عبدالعزیزؒ نے گیارہ بیٹے چھوڑ کر انتقال فرمایا اور سترہ دینار چھوڑے۔ پانچ دینار تو تجہیز و تکفین پر خرچ ہو گئے اور دو دینار کی قبر خریدی گئی۔ باقی صرف دس دینار بچے اور ہر بچہ کو ایک پورا دینار بھی ورثہ میں نہ ملا۔ اور ہشام ابن عبدالملک فوت ہوئے۔ تو ان کا ترکہ ان کی اولاد میں تقسیم ہوا۔ اور ہر ایک کو دس دس لاکھ دینار ملے۔ میں نے حضرت عمرؒ کی اولاد میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اللہ کی راہ میں ایک دن میں سو گھوڑے صدقہ کیے۔ اور ہشام کی اولاد میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کو صدقہ دیا کرتے تھے۔[۱]

(قصہ ۶۶) عدلِ عمرِ ثانیؒ کی حیرت انگیز تاثیر

(۱) حسن قطار کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؒ کی زمانۂ خلافت میں بکریوں کے دودھ دھویا کرتا تھا، چنانچہ میں ایک دن ایک چرواہے کے پاس سے گزرا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی بکریوں کے ریوڑ میں تیس کے قریب بھیڑیئے ہیں میں ان کو کتے سمجھا۔ کیونکہ میں نے پہلے بھیڑیوں کو نہیں دیکھا تھا۔ میں نے تعجب سے چرواہے سے پوچھا کہ تم (اتنے) کتوں کا کیا کرتے ہو۔ تو اس نے مجھے جواب دیا کہ: اے بیٹے! یہ کتے نہیں یہ بھیڑیئے ہیں۔ میں ششدر رہ گیا اور کہا: اللہ بے عیب ہے! بھیڑیئے بکریوں کے جھرمٹ میں ہیں اور انہیں نقصان بھی نہیں پہنچا رہے.......... اس چرواہے نے کہا کہ جب سر ٹھیک ہو تو جسم پر کوئی تکلیف نہیں آتی (یعنی یہ امیرالمومنین کے عدل کی برکت ہے)۔[۲]

(۲) موسیٰ بن ایمن الراعی کہتے ہیں وہ محمد بن عیینہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ شیر اور بکری اور دوسرے تمام جنگلی جانور ایک ہی جگہ ہوتے اور کوئی کسی پر حملہ

---

[۱] سیرت ابن جوزی ص ۲۹۶ [۲] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۷۰

آ ور نہ ہوتا۔ایک روز ایسا ہوا کہ ایک بھیڑیا ایک بکری کو اٹھا کر لے گیا یہ حالت دیکھ کر میں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا ہے چنانچہ جب پتہ چلا تو اسی حالت آپ کا انتقال ہوا تھا۔[1]

(قصہ ۶۷) ﴿حضرت عمرؒ کا علمی مقام﴾

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند علمی رتبہ عطا فرمایا تھا اس بلند رتبہ کی وجہ سے بڑے بڑے علمائے تفسیر اس بارے میں آپ کی طرف ہر مشکل سوال کے جواب میں رجوع فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ حجاز و شام کے بعض علماء نے آپ کے صاحبزادے عبدالملک سے کہا کہ آپ کے والد ماجد سے قرآن حکیم کی اس آیت:

"انّی لھم التناوش من مکان بعید"[2]

"وہ دور سے کیونکر پا سکتے تھے"

کے بارے میں پوچھو کہ اس سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے آپؒ سے اس بارے میں دریافت کیا۔آپؒ نے فرمایا: اس سے مراد وہ توبہ ہے جس کی خواہش اس وقت کی جائے جس وقت انسان اس پر قادر نہ ہو۔[3]

(قصہ ۶۸) ﴿جس قلب نے دل پھونک دیئے لاکھوں﴾

حضرت عمرؒ جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو لوگوں پر گریہ طاری ہو جاتا اور پھر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کے ساتھ مسجد کے در و دیوار بھی مصروف گریہ ہیں۔

ایک روز آپ نے عید کا خطبہ دیا جس میں کمال سوز و گداز تھا۔آپ کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تمام لوگ مصروف گریہ تھے۔ابھی یہ خطبہ مکمل نہ ہوا تھا کہ آپ نیچے اتر آئے۔ رجاء نے کہا: "امیر المومنین! آج آپ نے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا جس نے لوگوں کو رلا دیا۔

---

۱ البدایہ والنہایہ ۹/۲۰۳　　۲ السبا/۵۲　　۳ سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۸

پھر سخت ضرورت کے وقت آپ خاموش ہو کر منبر سے نیچے اتر آئے'' فرمایا: ''رجاء! مجھے فخر و مباہات پسند نہیں''۔[۱]

جس قلب نے دل پھونک دیئے لاکھوں الٰہی اس قلب میں کیا آگ بھری ہوگی

(قصہ ۶۹) جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

حضرت عمرؒ کو حسنِ ادا میں بڑا کمال حاصل تھا۔ جو شخص آپ کی باتیں سنتا وہ ٹھہر جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ عدی بن فضل نے آپ کا خطبہ سنا۔ یہ شخص فصاحت اور بلاغتِ کلام کا بڑا مشتاق تھا۔ عدی مسافر تھا لیکن اس نے آپ کے جمعے کا خطبہ سننے کے لیے ٹھہر جانا پسند کیا اور برابر ایک ماہ تک ٹھہرا رہا۔ وہ صرف آپ کے جمعہ کا خطبہ سننے کے انتظار میں رہتا تھا اور ٹھہرا بھی اسی غرض سے تھا۔[۲]

وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

(قصہ ۷۰) یہ شخص شعراء کو نہیں گداگروں کو دیتا ہے......!

علامہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ شعراء اور خطباء کی بارگاہ خلافت میں یہ کسمپرسی اور خستہ حالی دیکھ کر ایک روز اس وقت کے مشہور شاعر جریر نے ایک ممتاز فقیہ کی وساطت سے سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کو یہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

یا ایھا القاری المرضی عمامته هذا زمانک انی قد مضی زمنی

''اے وہ قاری جس کے عمامہ کا شملہ لٹک رہا ہے۔ اب یہ تیرا زمانہ ہے۔ میرا زمانہ تو گزر گیا''

ابلغ خلیفتنا ان کنت لاقیه انی لدی الباب کالمصفور فی قرن

''میرا یہ پیغام ہمارے خلیفہ کو پہنچا دے اگر تیری اس سے ملاقات ہو کہ میں دروازہ پر بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں''

---

[۱] ایضاً (۱۸۵،۱۹۳) [۲] سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ۲۵۷

عون بن محمد نے سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ سے مل کر کہا کہ جریر سے میری عزت و آبرو بچائیے۔ آپ نے جریر کو بارگاہ خلافت میں اذن باریابی دیا۔ اس نے ایک قصیدہ پڑھا۔ جس میں اہلِ مدینہ کے مصائب و آلام اور مشکلات کا ذکر تھا۔ سیدنا عمر ثانیؒ نے ان کے لیے غلہ اور نقد روپیہ بھیجا اور جریر سے پوچھا: تم کس جماعت کے ہو، مہاجرین سے یا انصار سے یا ان کے اعزاز و اقرباء سے یا مجاہدین سے؟ اس نے کہا: میں ان میں سے کسی سے نہیں ہوں۔ فرمایا: پھر مسلمانوں کے مال میں سے تمہارا کیا حق ہے؟ اس نے کہا: ''اگر آپ میرے حق کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں میرا حق مقرر فرمایا ہے۔ میں ''ابن سبیل'' (مسافر) ہوں۔ دور دراز سے سفر کر کے آپ کے دروازے پر آ کر ٹھہرا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اچھا اب جبکہ تم میرے پاس آ ہی گئے ہو۔ تو میں اپنے ذاتی خرچ سے تمہیں بیس درہم دیتا ہوں یہ لے لو۔ اس حقیر رقم پر تم خواہ میری تعریف کرو یا مذمت۔ میری مدح کرو یا ہجو۔ جریر نے اس حقیر رقم کو بھی غنیمت سمجھ کر لے لیا اور باہر آ گیا۔ دوسرے شعراء نے جو اس کو بارگاہ خلافت سے باہر نکلتے دیکھا۔ تو دوڑ کر پوچھا ''کہو ابوحزرہ! کیسا معاملہ رہا؟'' جریر نے جواب دیا: ''اپنا راستہ ناپو، یہ شخص شعراء کو نہیں بلکہ گداگروں کو دیتا ہے''۔[1]

﴿اہلِ حق کی قدردانی﴾ (قصہ ۷۱)

مدین والوں میں آپ کے بہترین مصاحب عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ تھے۔ یہ حضرت عمرؓ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے لیکن پھر بھی ان کی عظیم محبت آپ کے دل میں جوش مارتی رہتی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے: ''بخدا! میں عبیداللہ کی ایک رات سرکاری خزانہ سے ایک ہزار دینار میں خرید لوں گا'' پوچھا گیا: ''امیر المومنین! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں جب کہ آپ سرکاری خزانہ کے بارے میں نہایت محتاط ہیں؟'' فرمایا: تمہاری عقلیں کہاں گئیں'' بخدا! میں ان کی رائے خیر خواہی اور ہدایت سے بیت المال میں کروڑوں جمع کر دونگا'' ایک مرتبہ فرمایا: ''اگر مجھے عبیداللہ کی ایک مجلس نصیب ہو جائے تو وہ مجھے دنیا سے اور جو کچھ اس دنیا میں ہے سے زیادہ محبوب ہے''۔[2]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۶۷۔۱۶۸ [2] سیدنا عمر بن عبدالعزیز ص ۲۵۹

(قصہ ۷۲) ﴿آپؒ کی نگاہ میں معلمین وقضاۃ کا مقام﴾

حضرت عمرؒ نے اپنے عہدِ خلافت میں معلمین اور قاضیوں کے لیے فراخی اور وسعت رزق کے دروازے کھول دیے لیکن اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے رزق کے دروازے تنگ کر دیے۔ چنانچہ ایک دن ابن ابی ذکریا نے آپ سے کہا: ''مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ اپنے ہر عامل کو تین سو دینار دیتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے کہا: ''امیر المومنین! آپ دوسرے کے مقابلہ میں مال کے زیادہ حق دار ہیں''۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے کرتے سے اپنا ہاتھ نکال کر فرمایا: ''ابن ابی ذکریا اس کی مال فیئے سے پرورش ہوئی ہے۔ اب میں اس کی طرف مال فیئے کا ایک پیسہ بھی نہ لوٹاؤں گا۔'' آپ کی نگاہ میں قاضی اور عامل کی تنخواہ کی یہ انتہائی حد نہ تھی بلکہ آپ نے اس سے بھی زیادہ تنخواہیں مقرر کی تھیں حتی کہ بعض لوگوں کو آپ نے دس لاکھ سالانہ بھی تنخواہ دی۔[1]

(قصہ ۷۳) ﴿ہم نے بھی راہِ عشق کی طے کی ہیں منزلیں﴾

وہ شخص جس کا لباس دیکھنے والوں کی ایک نگاہ پڑنے ہی سے پرانا ہو جاتا تھا اور پھر اس کو دوبارہ پہننے کی نوبت نہیں آتی تھی اب اس کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑوں کا رہتا تھا اور اسی کو دھو دھو کر وہ پہنا کرتا تھا۔

مرض الموت میں ایک قمیص کے علاوہ دوسری قمیص بھی نہ تھی کہ اس کو بدل کر دوسری قمیص پہنی جاسکے۔ علامہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ آپ کی اہلیہ کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک نے آپ کی اہلیہ اور اپنی بہن فاطمہ سے کہا کہ آپ کی قمیص چونکہ میلی ہوگئی ہے۔ بڑے بڑے لوگ آپ کی عیادت کے لیے آتے ہیں۔ لہٰذا دوسری قمیص بدل دیں۔ انہوں نے کہا انشاء اللہ بدل دیں گے پھر جب وہ دوسرے دن آئے تو وہ آپ نے وہی قمیص پہنی ہوئی تھی تو انہوں نے اپنی بہن سے کہا، میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ ان کی قمیص بدل دو لوگ عیادت کے لئے آتے ہیں انہوں نے نمناک آنکھوں اور غمناک دل سے کہا: بھائی! خدا

[1] سیرۃ ابن جوزیؒ ص ۲۷، ص ۵

کی قسم! اس قمیص کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں ہے۔[1]

ہم نے بھی راہِ عشق کی طے کی ہیں منزلیں
لیکن بچے ہوئے رَوشِ عام سے رہے

(قصہ ۷۴) گھریلو خستہ حالی

ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے نے کپڑے مانگے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''میرے کپڑے خیار بن ریاح کے پاس پڑے ہیں ان سے جا کر لے لو۔ وہ ان کے پاس گئے انہوں نے گاڑھے کے کپڑے نکال کر دیئے۔ عبداللہ نے کہا: ''یہ کپڑے ہمارے پہننے کے لائق نہیں ہیں''۔ خیار نے کہا: ''میرے پاس تو امیر المومنین نے یہی کپڑے رکھے ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی کپڑے نہیں ہیں''۔ عبداللہ نے واپس جا کر اپنے ابا عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی وہی کچھ کہا جو خیار سے کہا تھا۔ آپ نے جواب دیا۔ ''بیٹا! میرے پاس تو یہی ہیں''۔ یہ جواب سن کر وہ مایوس ہو کر لوٹنے لگے تو آپ نے واپس بلا کر کہا: ''اگر کپڑوں کے لیے وظیفہ سے پیشگی رقم لینا چاہو تو لے سکتے ہو''۔ چنانچہ اسے سو درہم پیشگی وظیفہ کے دلوا دیے اور جب وظیفہ تقسیم ہوا تو وہ رقم کاٹ لی گئی۔[2]

(قصہ ۷۵) خلیفہ کی عید یوں بھی ہوتی ہے!

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ عید الفطر سے ایک روز قبل منصب خلافت کی ذمہ داریاں سرانجام رہے تھے کہ بیوی نے آ کر کہا: ''صبح عید ہے اور بچے نئے کپڑوں کی ضد کر رہے ہیں اور گھر میں ان کا کوئی نیا کپڑا نہیں ہے''۔ اہلیہ کی بات سن کر ایک پریشانی لاحق ہوگئی۔ بیت المال کے انچارج کو ایک رقعہ لکھا کہ اگر مجھے آئندہ ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دیں تو میں نہایت ممنون ہوں گا۔ خازن نے رقعہ کی پشت پر لکھ بھیجا:

''اگر امیر المومنین! آئندہ ماہ زندہ رہنے کی ضمانت دے دیں تو میں

---

[1] سیرت ابن جوزی ص ۱۵۳، البدایہ والنہایہ (۱۹) [2] ایضاً ص ۲۷۳

پیشگی تنخواہ دینے کو تیار ہوں، وگرنہ معذرت خواہ ہوں''۔

جواب پڑھ کر اہلیہ سے فرمایا: رقم کا بندوبست نہیں ہوسکا، لہٰذا پرانے کپڑوں کو دھولو اور کل بچے وہی دُھلے ہوئے کپڑے پہن کر عید کریں گے[1]

(قصہ ۷۶) ﴿یہ جہنم کی ہتھکڑیوں سے بہتر ہے......!﴾

جب کبھی اچھی شے کھانے کی خواہش ہوتی تو وہ خواہش دل میں گھٹ کر رہ جاتی کیونکہ اس کو پورا کرنے کی قدرت نہ تھی۔

ایک مرتبہ انگور کھانے کو جی چاہا۔ اپنی اہلیہ سے پوچھا: ''تمہارے پاس ایک درہم ہے؟ میرا انگور کھانے کو جی چاہ رہا ہے''۔ انہوں نے جل بھن کر جواب دیا: ''آپ اچھے امیر المومنین ہیں کہ جیب میں ایک درہم بھی نہیں''۔

جواب میں فرمایا: ''یہ جہنم کی ہتھکڑیوں سے میرے لیے زیادہ آسان ہے''۔

(یعنی جہنم کی ہتھکڑیاں پہننے سے یہ بات زیادہ آسان ہے کہ جیب میں ایک درہم بھی نہ ہو)[2]

(قصہ ۷۷) ﴿ماضی کی یاد﴾

ایک روز آپ کو خلافت سے پہلے کا اطمینان وفراغت کا زمانہ یاد آ گیا۔ آپ نے اہلیہ سے کہا:

''ہمارا گزشتہ زمانہ کتنا راحت بخش اور خوش آئند تھا''۔

اہلیہ نے کہا: ''آج تو آپ کو اس زمانہ سے کہیں زیادہ اقتدار واختیار حاصل ہے۔ اس وقت آپ صرف ایک صوبے کے حاکم تھے اور آج پوری مملکت اسلامیہ آپ کے زیر اقتدار ہے اور کوئی شخص روک ٹوک کرنے والا نہیں''۔

اہلیہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر آپ نے بڑے غمگین لہجے میں فرمایا:

---

[1] طبقات ابن سعد (۵/۲۷۴)   [2] البدایہ والنہایہ (۹/۲۸۵) سیرت ابن جوزیہ ص ۱۵۴

''فاطمہ! تم صرف یہ دیکھ رہی ہو کہ میں ساری سلطنت کا فرماں روا ہوں۔ ذرا اس ذمہ داری کا بھی خیال کرو جو اس فرماں روائی کی وجہ سے میرے نازک کندھوں پر آن پڑی ہے میں آخرت کے خوف سے لرزہ براندام ہوتا ہوں''۔

''انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم[1]

''اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو (اس کی پاداش میں) ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں''۔

اس جواب میں ایسا درد و سوز تھا کہ آپؒ کی اہلیہ محترمہ فاطمہؒ بھی بے اختیار رونے لگیں کہ: ''اے اللہ! ان کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھیو''[2]

دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
جب سرد ہوا چلی، میں نے تجھے یاد کیا

(قصہ ۷۸) ﴿قبر کا پیغام انسانیت کے نام﴾

سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نہ صرف آخرت سے خوف کھاتے رہتے تھے بلکہ آخرت سے قبل قبر کی یاد بھی انہیں ہر وقت ستائے رکھتی تھی۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ قبرستان میں پہنچ کر ایک طرف بیٹھ گئے اور کچھ سوچنے لگے۔ آپ کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور رگیں پھول گئیں۔ کسی شخص نے عرض کیا: ''امیر المومنین! آپ اس جنازے کے ولی تھے، آپ ہی علیحدہ بیٹھ گئے؟'' فرمایا: ''ہاں! مجھے ایک قبر نے آواز دی ہے اور مجھ سے یوں کہا: ''اے عمر! تو مجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ میں ان آنے والوں کے ساتھ کیا کیا سلوک کرتی ہوں''؟ میں نے کہا: ''بتا کہ تو ان کے ساتھ کیا کرتی ہے''؟ پھر فرمایا:

''قبر ہر ایک کو پکارتی ہے۔ ہر ایک کو پیغام دیتی ہے۔ ہر ایک کو ہر روز اپنے بارے میں بتاتی ہے۔ وہ نہایت فصیح اور صاف آواز کے ساتھ یہ اعلان کرتی ہے: اے آدم کے

[1] الزمر/۱۳ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۶۶

بیٹے! تو مجھے بھول گیا میں تنہائی کا گھر ہوں، میں اجنبیت کا گھر ہوں، میں دہشت کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، میں نہایت تنگی کا گھر ہوں، مگر اس شخص کے لیے نہیں جس پر اللہ تعالیٰ مجھے وسیع بنا دے۔ لیکن ہم نے اس آواز کے لیے کانوں کو بہرا بنالیا ہے۔ دنیا کی ریل پیل نے ہمیں اس آواز کو سننے کی فرصت ہی نہیں دی لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ اور ان جیسے کئی بزرگ اس آواز کو سنتے ہیں۔ چنانچہ جب عمر بن عبدالعزیزؒ نے قبر سے پوچھا کہ بتا تو کیا کرتی ہے۔ اس نے جواب دیا: ''میں نئے آنے والوں کے کفن پھاڑ دیتی بتاؤں ہوں، بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہوں، خون سارا چوس لیتی ہوں، گوشت کھا لیتی ہوں اور بتاؤں کہ آدمی کے جوڑوں کے ساتھ کیا کرتی ہوں؟ مونڈھوں کو باہوں سے جدا کر دیتی ہوں اور سرینوں سے رانوں کو جدا کر دیتی ہوں اور رانوں کو گھٹنوں سے اور گھٹنوں کو پنڈلیوں سے اور پنڈلیوں کو پاؤں سے جدا کر دیتی ہوں''۔[1]

(قصہ ۷۹) ﴿غم زیست کا حاصل ہے اس غم سے مفر کیوں ہو﴾

حضرت عمرؒ رات بھر جاگ کر موت پر غور کیا کرتے تھے کہ یہ کس طرح تمام لذتوں کو ختم کر دیتی ہے اور قبر کی ہولناکیوں کو یاد کر کے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے ہم جلیس سے فرمایا کہ میں تمام رات غور و فکر میں جاگتا رہا۔ اس نے پوچھا کس شے کے بارے میں؟ فرمایا: ''قبر اور اہل قبر کے متعلق، اگر تم مردے کو تین روز کے بعد قبر میں دیکھو تو انس و محبت کے باوجود اس کے پاس جاتے ہوئے خوف زدہ ہو جاؤ گے، پیپ بہہ رہی ہوگی۔ اور اس میں کیڑے تیر رہے ہونگے، بدبو پھیلی ہوگی، کفن بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ یہ کہہ کر روتے روتے ہچکی بندھ گئی، اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ان کی اہلیہ ان پر پانی چھڑک کر انہیں ہوش میں لائیں۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس نے موت کو اکثر یاد کیا اور تھوڑی دنیا پر راضی ہو گیا وہ کامیاب ہے۔[2]

میں دے کے غمِ جاناں کیوں عشرتِ دنیا لوں
غم زیست کا حاصل ہے اس غم سے مفر کیوں ہو

---

[1] سیرت ابن عبدالعزیز ص ص ۲۱۸ البدایہ والنہایہ (۹/۱۰۴)
[2] سیر اعلام النبلاء جلد ۵ ص ۱۳۲

(قصہ ۸۰) ﴿دل کو مرے شعور محبت بھی جب نہ تھا﴾

روایات میں ہے کہ آپ کو بچپن ہی سے موت کا خوف دامن گیر رہتا تھا۔ کم سنی میں بھی جب آپ کو موت کا خیال آتا تو زار و قطار رو پڑتے۔ ایک روز آپ کی والدہ کو پتہ چلا کہ آپ رو رہے ہیں۔ اس وقت آپ قرآن حکیم کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ آپکی والدہ نے رونے کا سبب معلوم کرایا تو پتہ چلا کہ آپ موت یاد آنے سے رو رہے ہیں۔ یہ سن کر والدہ بھی رونے لگیں کیونکہ ان کو بھی موت یاد آگئی اور اس لیے بھی آپ کے بیٹے کو اس بچپنے ہی میں یہ خیال آ رہا ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے[1]

اس وقت سے میں تیرا پرستارِ حسن ہوں
دل کو مرے شعور محبت بھی جب نہ تھا

(قصہ ۸۱) ﴿غمِ آخرت کا روشن چراغ﴾

حضرت عمر رحمہ اللہ کے شباب کی تازگی کو ختم کرنے والی چیز قبرستان کی زیارت سے بڑھ کر اور کوئی دوسری چیز نہ تھی۔ چنانچہ میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ کے ساتھ قبرستان گیا۔ آپ قبریں دیکھ کر رونے لگے پھر آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: یہ میرے خاندان کے بزرگوں کی قبریں ہیں گویا انہوں نے دنیا میں عیش و آرام کیا ہی نہ تھا۔ ان پر بوسیدگی نے اپنے پنجے گاڑ دیئے ہیں اور ان کے جسموں میں کیڑے مکوڑے تیر گئے ہیں پھر آپ دیر تک روتے رہے۔

آپ تلاوت کرتے تو ان آیات کو جن میں قیامت کا ذکر ہے، پڑھ کر تڑپ اٹھتے چنانچہ ایک بار گھر والوں نے دیکھا کہ ان کی اہلیہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہیں۔ بھائیوں نے رونے کی وجہ پوچھی۔ تو انہوں نے جواب دیا: رات میں نے امیر المومنین کو بڑی دل گداز حالت میں دیکھا، وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ آیت پڑھی کہ:

---

[1] سیرت بن الجوزی ص ۱۹

یوم یکون الناس کالفراش المبثوث، و تکون الجبال کالعهن المنفوش۔[1]

''جس روز انسان پراگندہ پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے''

تو چیخ ماری پھر اچھلے اور اچھل کر اس طرح گرے کہ یوں معلوم ہوا کہ دم توڑ رہے ہیں پھر ایسے ساکن وساکت ہوئے۔ میں سمجھی کہ دم نکل گیا ہے۔ ہوش میں آئے تو پھر نعرہ مارا۔ پھر اچھلے اور تمام گھر میں پھر کر کہنے لگے: ''ہائے وہ دن جس روز انسان پراگندہ پتنگوں کی طرح اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے'' پھر گرے اور ایسی حالت ہوگئی کہ میں نے سمجھا کہ کام تمام ہوگیا، یہاں تک کہ موذن نے اذان دی تو ہوش میں آئے۔[2]

(قصہ۸۲) ﴿عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کردیا﴾

ایک موقع پر آپ کے خیر خواہوں نے آپ سے عرض کیا کہ گذشتہ خلفاء کی طرح آپ بھی دیکھ بھال کر کھانا کھایا کریں اور دشمنوں اور مخالفین کے حملوں کی حفاظت کے لیے نماز میں پہرہ کا اہتمام کیا کریں۔ آپ نے ان حضرات کا یہ مشورہ سن کر فرمایا: ''ان لوگوں نے اپنی اتنی حفاظت کی پھر بھی ان کا کیا ہوا؟ کیا وہ مرے نہیں؟''۔

جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا: ''اے اللہ! اگر میں تیرے علم میں روز قیامت کے علاوہ اور کسی دن سے ڈروں تو میرے خوف کو اطمینان نہ دلا''[3]

درد دِل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا
عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا

---

[1] القارعۃ/۴،۵

[2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۹

[3] طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۹۴

(قصہ ۸۳) ﴿اہلِ اقتدار کے لئے راہنما اصول﴾

بیت المال کی طرف سے فقراء اور مساکین کے لیے جو مہمان خانہ (دارالضیوف) تھا۔ اس کے باورچی خانہ سے اپنے لیے پانی بھی گرم نہ کراتے تھے۔ ایک مرتبہ غفلت میں آپ کا ملازم ایک ماہ تک اس باورچی خانہ سے آپ کے وضو کے لیے پانی گرم کرتا رہا۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو جتنی لکڑی ملازم نے اس مہینے میں استعمال کی تھی اتنی لکڑی خرید کر اس باورچی خانہ میں داخل کرا دی۔

ایک دفعہ ایک غلام کو گوشت کا ٹکڑا بھوننے کا حکم دیا وہ اسی مطبخ سے بھون کر لے آیا آپ کو پتہ چلا تو آپ نے اسے ہاتھ نہ لگایا اور غلام سے فرمایا: تم ہی کھالو یہ میری قسمت کا نہ تھا۔[1]

(قصہ ۸۴) ﴿مسلمانوں کے مال کی حفاظت﴾

ایک مرتبہ کہیں سے سیب آئے اور سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ انہیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ کا چھوٹا بچہ ڈھیر میں سے سیب اٹھا کر کھانے لگا۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے وہ سیب چھین لیا جس پر وہ رونے لگا اور جا کر اپنی والدہ سے شکایت کی۔ ماں نے بازار سے سیب منگوا دیئے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ گھر آئے تو انہیں سیب کی خوشبو محسوس ہوئی۔ فوراً پوچھا: ''فاطمہ! کوئی سرکاری سیب تو تمہارے پاس نہیں آیا؟'' انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا کہ آپ نے ایک معصوم بچہ سے سیب چھینا۔ فرمایا: ''خدا کی قسم! میں نے سیب اس کے منہ سے نہیں چھینا تھا۔ بلکہ اپنے دل سے چھینا تھا''۔

لیکن مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ مسلمانوں کے حصے کے ایک سیب کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے نفس کو برباد کروں۔[2]

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۶ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۶۰

(قصہ ۸۵) ﴿لبنان کا شہد﴾

روایات میں ہے کہ آپ کو لبنان کا شہد بہت پسند تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے اس شہد کی خواہش ظاہر کی۔ وفا شعار اہلیہ نے وہاں کے حاکم ابن معدی کرب کے پاس کہلا بھیجا۔ انہوں نے آپ کے لیے بہت سا شہد بھجوا دیا۔ فاطمہؒ نے اسے امیر المومنین کو دیا کہ لیں یہ شہد آپ کو بہت پسند ہے۔ آپ نے شہد دیکھ کر فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابن معدی کرب کے پاس کہلا بھیجا تھا۔ انہوں نے ہی یہ بھیجا ہے میں اس کو ہرگز نہیں کھاؤں گا۔

چنانچہ آپ نے سارا شہد فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں جمع کر دی۔ اور ابن معدی کرب کو لکھ بھیجا کہ تم نے فاطمہ کے کہلانے پر شہد بھیجا ہے۔ خدا کی قسم! اگر آئندہ تم نے ایسا کیا تو یاد رکھو تم اپنے عہدہ پر نہیں رہ سکو گے اور میں تمہارے چہرہ پر نگاہ بھی نہیں ڈالوں گا۔[1]

(قصہ ۸۶) ﴿حکیمانہ اندازِ تربیت﴾

حضرت عمرؒ نے جیسا سلوک اپنی اہلیہ سے کیا ویسا ہی اپنی اولاد سے بھی کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی ایک بچی نے آپ کو ایک موتی بھیجا۔ اور درخواست کی کہ میرے لئے اس جیسا ایک موتی بھیج دیں تاکہ میں اپنے دونوں کانوں میں ایک جیسے موتی پہن سکوں۔ آپ نے اس کے پاس دو انگارے بھیج دیے اور فرمایا: اگر تم یہ دونوں انگارے اپنے کانوں میں پہن سکتی ہو تو تمہارے لیے اس موتی جیسا دوسرا موتی بھیج دوں گا۔[2]

(قصہ ۸۷) ﴿اللہ اس پر رحم کرے......﴾

اسی طرح آپ کے ایک صاحبزادے نے انگوٹھی کا ایک نگینہ ایک ہزار درہم میں خریدا۔ آپ کو پتہ چلا تو اسے لکھا: ''تمہیں اللہ کی قسم! اس انگوٹھی کو جسے تم نے ایک ہزار درہم میں خریدا ہے، فوراً فروخت کر دو، اور اس کی قیمت اللہ کے راستے میں دے دو۔ اور ایک درہم کی دوسری انگوٹھی خرید لو جس پر یہ کندہ ہو: ''اللہ اس پر رحم فرمائے جو اپنا مرتبہ پہچانے''

والسلام۔

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۵۸ [2] سیرت ابن عبد الحکم ص ۱۶۳

(قصہ ۸۸) ﴿غلام کے تاثرات﴾

خلیفہ ہونے کے بعد آپ نے ایک مرتبہ اپنے غلام سے جس کا نام درہم تھا۔ پوچھا: ''لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اس نے کہا: ''لوگ کیا کہیں گے۔ عوام اور خواص سب مزے میں ہیں۔ البتہ میں اور آپ سخت تکلیف میں ہیں۔ سیدنا عمرؒ نے پوچھا: کیوں؟ غلام درہم نے جواب دیا: آپ کو خلافت سے قبل عمدہ اور خوشبودار لباس میں عمدہ گھوڑوں پر اور خوشگوار طعام سے دیکھا تھا لیکن خلافت کے بعد امید تھی کہ مجھے آرام نصیب ہوگا لیکن مجھ پر کام بڑھ گیا اور آپ بھی تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔

یہ جواب سن کر حضرت عمرؒ نے اسے آزاد کر دیا اور فرمایا: ''جاؤ جہاں تمہارا دل چاہے چلے جاؤ اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں اسی حال میں خوش ہوں؟ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی اور کشادہ راستہ کھول دے گا۔''[1]

(قصہ ۸۹) ﴿ہدیہ یا رشوت﴾

عموماً ایسا ہوتا تھا کہ لوگ خلفاء اور امراء کو ہدایا اور تحائف بھیجا کرتے تھے اور اس کے بدلہ میں پھر ان سے جائز اور ناجائز کام لیتے تھے اس لیے بعض ہدیے رشوت ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کو سیب اور دوسرے کئی میوہ جات ہدیہ میں بھیجے۔ آپ نے واپس کر دیے۔ بھیجنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تو ہدیہ قبول کر لیا کرتے تھے۔ آپ نے جواب دیا۔

''ان الهدية كانت له هدية، وهي اليوم لنا رشوة''

''ہدیہ تو آپ ﷺ کے لیے ہدیہ ہوتا تھا لیکن آج وہ ہدیہ ہمارے لیے رشوت ہے۔''[2]

---

[1] سیرت ابن جوزی ص ۱۷۵، العقد الفرید جلد ۴ ص ۴۳۵

[2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۶۰ سیر اعلام النبلاء جلد ۵ ص ۱۴۰

(قصہ ۹۰) ﴿''خادمہ کی خدمت''﴾

باندیوں اور غلاموں سے اس زمانہ میں وہ سلوک نہیں کیا جاتا تھا جو عام آزاد لوگوں سے کیا جاتا۔ آپ نے ان سے یہ غیر مساویانہ سلوک ختم کر دیا اور آپ ان سے اتنا مساویانہ سلوک اور برتاؤ کرتے تھے کہ کبھی کبھی خود بھی ملازمین کی خدمت کرتے تھے جس طرح کہ ملازمین ان کی خدمت کرتے۔ ایک مرتبہ ایک خادمہ آپ کو پنکھا جھل رہی تھی۔ پنکھا جھلتے جھلتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ آپ نے جونہی اس کو سوتے دیکھا اس کے ہاتھ سے پنکھا لے کر اس کو جھلنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر چلائی۔ آپ نے اس سے فرمایا: کوئی بات نہیں آخر تم بھی میری طرح ایک انسان ہو۔ تمہیں بھی گرمی لگتی ہے۔ جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھی۔ میں نے بھی جھلنا مناسب سمجھا۔ کہنے والے نے حضرت عمرؒ کے بارے میں بھی کہا تھا: ''وہ دیکھو عمرؒ کی شان، خود پیدل اور گھوڑے پر غلام''۔[1]

(قصہ ۹۱) ﴿ماتحتوں سے حسنِ سلوک﴾

ملازمین کے آرام میں خلل انداز ہونا آپ کو گوارا نہیں تھا۔ کیونکہ آپؒ سمجھتے تھے کہ ان کے لیے آرام کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا دوسروں کے لیے ضروری ہے۔ جب دیکھتے کہ کوئی ملازم سویا ہوا ہے یا آرام کر رہا ہے تو ان اوقات میں آپ اپنا کام خود کر لیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رجاء بن حیوۃ سے ملاقات کچھ طویل ہوگئی اور رات زیادہ گزر گئی اور چراغ جھلملانے لگا۔ آپ کے پاس ہی ملازم سویا ہوا تھا۔ رجاء نے کہا: ''امیر المومنین! اسے جگا دوں تاکہ یہ چراغ میں تیل ڈال دے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں اسے سونے دو۔ سارے دن کا تھکا ماندہ ہے''۔ رجاء نے اب خود چراغ درست کرنے کا ارادہ کیا آپ نے انہیں روک دیا کہ مہمان سے کام لینا مروت اور حسن اخلاق کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپؒ نے خود اٹھ کر زیتون کا تیل لیا اور چراغ میں ڈال کر اس کو درست کیا۔ پھر آ کر فرمایا: ''جب میں اٹھا تھا۔

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۷۲، البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۲۰۸

تب بھی امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز تھا اور اب بھی امیر المومنین ہوں، اس کو کام کرنے سے میری شخصیت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔[1]

؎ تمام عمر اسی احتیاط میں گذری
یہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

(قصہ۹۲) ﴿ٹھہرے گا کبھی دل؟ کہ دھڑکتا ہی رہے گا﴾

محمد بن کعب قرظیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا وہ زمانہ بھی پایا ہے کہ جب وہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر مقرر تھے اور اس وقت وہ ایک خوبرو اور صحتمند و توانا جوان تھے۔ لیکن جب آپ منصبِ خلافت پر فائز ہونے تو پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ میں نا قابل یقین تبدیلی آ چکی تھی، میں آپ کے ماضی کو سوچتے ہوئے ٹکٹکی باندھ کر آپ کو مسلسل دیکھتا رہا۔

آپؒ نے میری یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا: تم تو میری طرف اس طرح نہیں دیکھا کرتے تھے (یعنی آج تمہیں کیا ہوا ہے کہ اس طرح حیرانگی سے دیکھ رہے ہو) محمد بن کعبؒ نے عرض کیا: میں حیرت زدہ رہ گیا ہوں......!

آپ نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے تعجب میں ڈالا ہے؟ میں نے کہا: آپ کی جسمانی حالت نے۔ آپ کا رنگ تبدیل ہو گیا ہے (یعنی رنگ کی تروتازگی مٹ چکی ہے) بال پراگندہ ہو گئے، جسم کمزور ہو گیا ہے۔

آپؒ نے فرمایا: اے ابن کعب! (تم دنیا میں مجھے اس حالت میں دیکھ کر اتنے حیران ہو گئے ہو) تمہاری اس وقت کیا حالت ہوگی؟ اگر تم مجھے میری قبر میں تین دن کے بعد دیکھ لو...... جبکہ میرے جسم کا جوڑ جوڑ جدا ہو چکا ہوگا، رگ رگ سے پیپ بہہ رہی ہوگی، کیڑے دوڑ رہے ہوں گے،............ اس وقت تم کس قدر مجھے ناپسند کرو گے............!!"

کیا ختم نہ ہوگا کبھی ہنگامۂ ہستی؟
ٹھہرے گا کبھی دل؟ کہ دھڑکتا ہی رہے گا

---

[1] البدایہ والنہایہ ۹/۳۰۳

(قصہ ۹۳) ﴿رسولِ اکرمؐ کی نصیحتیں﴾

حضرت عمرؒ نے حضرت محمد بن کعب قرظیؒ سے فرمایا کہ مجھے ایسی حدیث سناؤ جس کو تم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہو۔ آپؒ نے عرض کیا کہ جی ہاں! ہمیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر چیز کے لئے ایک عظمت ہوتی ہے اور سب سے بہتر اور باعظمت بیٹھنا وہ ہے جو قبلہ رخ بیٹھے، اور امانت کے ساتھ بیٹھے، اور تم سونے والے یا باتیں کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھو، اور سانپ اور بچھو کو مار ڈالو، اگرچہ تم اپنی نماز کی حالت میں ہی کیوں نہ ہو''۔

اور جو شخص اپنے بھائی کے خط کو بغیر اس کی اجازت کے دیکھے گا تو گویا وہ آگ میں دیکھ رہا ہے، اور جس کو یہ پسند ہو کہ وہ سب سے زیادہ باعزت بن جائے تو اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، اور جس کو یہ پسند ہو کہ وہ سب سے زیادہ مالدار بن جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس چیز پر زیادہ بھروسہ کرے جو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے بنسبت اس چیز کے جو اس کے قبضے میں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ جتنا رزق دیں اس پر اکتفا کرے اور راضی رہے اور ثواب آخرت کی امید رکھے)۔[1]

(قصہ ۹۴) ﴿اک ھاتف غیبی کی ندا!﴾

محمد بن فضیل اپنے والد سے اور ان کے والد عباس بن راشد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ ہم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ ایک مقام میں ٹھہرے جب انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو ہمیں سفر شروع کرنے کا کہا۔ ہم چلنے لگے۔ چلتے چلتے ہم ایک وادی سے گزر رہے تھے تو ہم نے اچانک راستے کے کنارے پر مرے ہوئے ایک سیاہ رنگ کے سانپ کو دیکھا حضرت عمرؒ اپنی سواری سے نیچے اترے اور گڑھا کھود کر اس سانپ کو مٹی میں دفن کر دیا۔ پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور سفر شروع کیا۔ ابھی ہم نے سفر شروع کیا ہی تھا کہ ایک ھاتف غیبی کی صدائے بازگشت ہماری سماعتوں سے ٹکرائی ہمیں

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۱، ص ۲۴، الخلیفہ العادل ص ۶۴

کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا البتہ ایک کہنے والے کی یہ بات سنائی دے رہی تھی وہ کہہ رہا تھا:

''اے امیر المومنین! آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری مبارک ہو، میں اور میرا یہ ساتھی جس کو آپ نے ابھی ابھی دفن کیا ہے جنات کی اس قوم سے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

''و اذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القران''[1]

''اور جب ہم نے آپ کی طرف چند ایک جنوں کو پھیر دیا جو قرآن سن رہے تھے''

جب ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ نے میرے اس ساتھی سے فرمایا تھا: ''تم کسی آب و گیاہ وادی میں مرو گے اور تمہیں اس وقت انسانوں میں سے سب سے افضل انسان دفن کریگا''۔

یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس قدر زار و قطار روئے کہ عنقریب تھا کہ آپ اپنی سواری سے زمین پر گر جائیں گے۔ آپؒ نے عباس بن راشد سے فرمایا:

''اے راشد! میں تمہیں اللہ کی قسم دیکر کہتا ہوں، کہ اس واقعہ کی خبر اس وقت کسی کو نہ دینا جب تک مجھے مٹی چھپا نہ لے''۔

یعنی جب تک میرا انتقال نہ ہو جائے اور مجھے قبر میں نہ دفن کر دیا جائے۔[2]

(قصہ ۹۵) ﴿جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے﴾

عفان بن راشد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سلیمان کے ساتھ ''عرفہ'' میں کھڑے تھے کہ اچانک زوردار بجلی کڑکی۔ سلیمان نے خوف کے مارے اپنا سینہ سواری کے اگلے حصے پر رکھ دیا اور خوف و اندیشہ سے تھر تھر کانپنے لگا۔

حضرت عمرؒ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا:

''اے امیر المومنین! یہ بجلی کی کڑک تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ آئی ہے...... اگر یہی بجلی اس کے غضب و ناراضگی کے ساتھ آجائے تو اس وقت کیا حالت ہوگی......''[3]

---

[1] حوالہ لگانا ہے [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۳۰

[3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۴۲ الخلیفہ العادل لابن عبدالحکم ص ۳۷

یعنی جب رحمت سے آنے والی کڑک سے آپ لرز اٹھے ہیں تو پھر غضب سے نازل شدہ بجلی اور گرفت سے آپ کی کیا حالت ہوگی اس لئے اس کے غضب سے ڈرتے ہوئے اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے
تجھے دھوکے میں ڈالا رنگ و بو نے

بس اک بجلی سی پہلے کوندی، پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے
اور اب جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

جہاں میں ہر سو ہے اس کا جلوہ کہاں نہیں ہے کدھر نہیں ہے
وہ ذرے ذرے میں جلوہ گر ہے مگر کوئی دیدہ ور نہیں ہے

(قصہ ۹۶) یہی رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مجلس میں بیٹھے تھے، اتنے میں لوگ چلے گئے اور حضرت عمرؒ بھی اپنے گھر والوں کے پاس چلے گئے اتنے میں ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا: ''جماعت کھڑی ہونے والی ہے''۔

بعض حضرات شدید گھبرائے کہ کہیں لوگوں میں کوئی انتشار نہ پھیل گیا ہو یا کوئی بڑا حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ جو یریہ کہتے ہیں کہ یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ حضرت عمرؒ نے ''مزاحم'' کو بلایا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''اے مزاحم! کہ لوگ ہمیں تحفے تحائف دیتے ہیں، اللہ کی قسم! ان کے لئے ہمیں تحائف دینا درست نہیں ہے، اور ہمارا ان تحائف کو قبول کرنا صحیح نہیں ہے اور اس معاملے میں اللہ کے سوا کوئی میرا محاسبہ کرنے والا نہیں ہے''۔

مزاحم بولے: ''اے امیر المومنین! کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے کتنے بیٹے، بیٹیاں ہیں''۔

مزاحم کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت عمرؒ کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں اور پھر ان کی آنکھوں سے آنسو ان کے گالوں کے بوسے لینے لگے، آپ اپنے چہرے سے آنسوؤں کو پونچھتے جارہے تھے اور یہ کہتے جارہے تھے کہ:

''میرے بچوں کے رزق کا اللہ مالک ہے''۔

اس واقعہ کے بعد مزاحم حضرت عمرؒ کے صاحبزادے عبدالملک کے پاس چلے گئے اجازت طلب کی، اجازت ملی تو اندر داخل ہوئے، عبدالملک قیلولے کی غرض سے لیٹ چکے تھے۔انہوں نے مزاحم سے کہا:

آپ کو اس وقت کس چیز نے یہاں آنے پر مجبور کیا ہے؟ کیا کوئی بڑی بات پیش آئی ہے۔

مزاحم نے جواب دیا: جی ہاں! آپ کے لئے اور آپ کے سب بہن بھائیوں کے لئے بہت بڑا سانحہ پیش آیا ہے۔عبدالملک نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ مزاحم نے کہا: مجھے امیر المومنین نے بلایا تھا۔ پھر حضرت عمر رحمہ اللہ نے مزاحم سے جو کہا (یعنی ان تحائف کو رد کرنے کے بارے میں جن سے آپ کی اولاد کا گزر بسر ہوتا تھا) اس نے نے عبدالملک کو بتایا۔عبدالملک نے پوچھا آپ نے کیا جواب دیا؟ مزاحم نے کہا: میں نے کہا: ''امیر المومنین آپکو معلوم نہیں کہ آپ کے کتنے بچے ہیں؟ عبدالملک نے پوچھا: انہوں نے کیا جواب دیا؟ مزاحم نے بتایا: وہ رونے لگے اور انہوں نے کہا کہ ان کے رزق کا اللہ تعالیٰ نگہبان ہے۔

یہ سن کر عبدالملک نے کہا: ''اے مزاحم! تم کتنے برے ہم نشین ہو......! یہ کہہ کر جلدی سے اٹھے اور اپنے والد ماجد کے دروازے کے پاس چلے گئے اور اندر جانے کی اجازت چاہی۔نگران نے جواب دیا کہ: امیر المومنین قیلولے کے لئے لیٹ چکے ہیں۔عبدالملک نے کہا: ''مجھے اندر آنے کی اجازت دے دیجئے۔نگران نے پھر کہا: کیا آپ لوگ امیر المومنین پر نرمی نہیں کرتے، ان کے پاس دن ورات کے لمحات میں بس یہی ایک لمحہ آرام کرنے کے لئے ہے۔عبدالملک اجازت کے لئے اصرار کرتے رہے۔اسی اثناء میں حضرت عمرؒ نے ان کی گفتگو سن لی۔آپؒ نے پوچھا: کون ہے۔ بتایا گیا: عبدالملک ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اسے اندر آنے کی اجازت دے دو''۔

عبدالملک اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ حضرت عمرؒ قیلولے کے لئے چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ آپؒ نے پیار بھرے لہجہ میں پوچھا: ''اے پیارے بیٹے! تمہیں اس وقت آنے کیا ضرورت درپیش ہوئی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: مجھے مزاحم نے سارا واقعہ بتادیا ہے۔

حضرت عمرؒ نے پوچھا: پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ عبدالملک نے جواب دیا: ''میری رائے یہ ہے کہ آپ کی بات کو عملی شکل دے دی جائے''۔

یہ سن کر حضرت عمرؒ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور اللہ کا شکر ادا کیا:

''الحمد لله الذی جعل لی من ذرّیتی من یّعینی علی أمر دینی.''

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے ایسی اولاد عطا فرمائی جو دین کے کاموں میں میری مددگار ہے''۔

پھر حضرت عمرؒ نے فرمایا: میرے پیارے بیٹے میں ظہر کی نماز پڑھوں گا اور پھر منبر پر چڑھ سب لوگوں کے سامنے ان تحائف کو واپس کرنے کا اعلان کروں گا۔ عبدالملک نے سن کر کہا: اے امیرالمومنین! آپ کو کیا معلوم کہ آپ ظہر کی نماز تک زندہ بھی رہیں گے یا نہیں......؟ حضرت عمرؒ نے فرمایا: اس وقت لوگ جا چکے ہیں، اور گھروں میں استراحت کر رہے ہوں گے۔ عبدالملک نے کہا: آپ اپنے اعلان کرنے والے کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو جمع ہونے کا اعلان کردے تو لوگ جمع ہو جائیں گے۔

چنانچہ اعلان کرنے والے نے اعلان کیا اور لوگ جمع ہوگئے۔

پھر حضرت عمرؒ اپنے گھر سے نکل کر مسجد پہنچے اور منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا:

''امابعد! وہ لوگ ہمیں تحفے وتحائف دیا کرتے تھے، اللہ کی قسم! ان کے لئے ہمیں تحفے دینا درست نہیں ہے، اور نہ ہی ہمارے لئے ان تحفوں کو قبول کرنا درست ہے اور میرے لئے اس معاملے میں اللہ تعالیٰ

کے سوا کوئی میرا محاسبہ کرنے والا نہیں ہے۔ خبردار! سن لو میں ان تمام عطیوں اور تحفوں کو واپس لوٹاتا ہوں اور اس کی ابتداء میں اپنی ذات سے اور اپنے گھر والوں سے کرتا ہوں......!''

پھر آپؒ نے حضرت مزاحم کو ان تحائف کی دستاویزات پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مزاحم مسلسل دستاویزات پڑھتے رہے اور حضرت عمرؒ مسلسل ان تحفوں کو واپس لوٹاتے رہے یہاں تک کہ نماز ظہر کی اذان ہوگئی۔ اس طرح آپ نے اپنے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کر دی اور ایک نگینہ بھی اپنے پاس نہ رہنے دیا۔[1]

(قصہ ۹۷) ﴿ہوئی جب چشمِ غفلت آشنائے جلوۂ وحدت﴾

یعقوب نے اپنے والد کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؒ بہت اعلیٰ معیار کا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے، اور عطر و خوشبو لگانے میں بہت زیادہ اسراف کیا کرتے تھے حتی کہ میں نے ''عنبر'' کو ان کی داڑھی پر ایسے بکھرے ہوئے دیکھا ہے جیسے نمک پڑا ہوا ہو۔ یعنی آپ کے ناز و نعم کی کوئی حد نہ تھی۔ لیکن جب خلافت کی ذمہ داری آپ کو سپرد کی گئی تو آپ کی حالت یکسر بدل گئی یہانتک کہ آپ نے اپنی ہر قسم کی آسائشِ زندگی کو فراموش کر ڈالا۔

کہتے ہیں کہ رباح بن عبیدۃ جو کہ اہل بصرہ میں سے ایک تاجر تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان دنوں مدینہ منورہ میں تھے انہوں نے رباح سے کہا کہ میرے لئے ایک خالص ریشم کا نرم و ملائم جبہ خرید کر لاؤ۔ رباح حضرت عمرؒ کے لئے دس دینار کا ایک عمدہ ترین جبہ خرید کر لائے اور آپؒ کی خدمت میں پیش کیا، آپؒ نے اس جبے کو چھوا اور فرمایا: ''مجھے تو یہ کھردرا معلوم ہو رہا ہے''۔

جب حضرت عمرؒ خلیفہ بنے تو پھر آپؒ نے رباح کو جبہ خریدنے کا حکم دیا تو انہوں نے آپؒ کے لئے ایک دینار میں اون کا ایک جبہ خریدا، اور ان کی خدمت میں پیش کیا

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۰۷، ص ۱۰۸، طبقات ابن سعد (۲۵۲/۵)، البدایہ والنہایہ (۲۰۰/۹)

آپ حیرت کی وجہ سے اس جبے میں اپنا ہاتھ داخل کرنے لگے اور کہنے لگے: ''یہ جبہ کس قدر نرم و ملائم ہے''۔

رباح نے کہا: ''عجیب بات ہے! آپ پہلے خالص ریشم کو بھی کھردرا محسوس کرتے تھے اور آج اون بھی آپ کو نرم و ملائم لگتا ہے......!''

حضرت عمرؒ نے جواب دیا: ''وہ بھی ایک حالت تھی، اور یہ بھی ایک حالت ہے''۔

ہوئی جب چشمِ غفلت آشنائے جلوۂ وحدت
تو پھر یہ عالمِ کثرت بس اک خوابِ پریشاں تھا

پہلے یہ فکر تھی کہ غم نہ رہے
اب یہ غم ہے کہ درد کیوں کم ہے

(قصہ ۹۸) عمرِ ثانیؒ کے ''ورع'' کا عالم

عروۃ بن محمد سعدی نے حیان بن نافع بصری کو تحفے تحائف دے کر سلیمان بن عبدالملک کی طرف بھیجا۔ وہ اس وقت ''دابق'' میں تھا۔ اس نے عطیات قبول کر لیے۔ اس کے انتقال کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ بنایا گیا تو یہ حضرت حضرت عمرؒ کے لیے بھی اسی طرح تحائف لیکر حاضر ہوئے جس طرح سلیمان کے لئے تحائف لائے تھے۔ اس وقت ہمارے پاس تقریباً پانچ سو یا چھ سو رطل عنبر اور بہت زیادہ مشک تھی۔ جس وجہ سے ہر چیز مشک و عنبر کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ حضرت عمرؒ نے اپنی آستین سے ناک بند کر لی۔ پھر اپنے غلام سے کہا کہ اس کو یہاں سے اٹھا دو۔ لوگوں نے عرض کیا: امیر المومنین اس کو سونگھ لینے میں کیا حرج ہے؟ آپ نے فرمایا: ''مشک و عنبر سے خوشبو سونگھ کر ہی نفع حاصل کیا جاتا ہے''۔[1]

(قصہ ۹۹) تیرے نام پہ مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے......!

حکم بن عمر عینی کہتے ہیں کہ مجھے ایک دفعہ حضرت عمرؒ کے ساتھ ایک جنازے میں

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۶۳ سیر اعلام النبلاء (۵/۱۳۲)، البدایہ والنہایہ (۹/۲۱۴)

شریک ہونے کا اتفاق ہوا، اس دن موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ نمازِ جنازہ پڑھی گئی حضرت عمرؒ کا سامنا ایک ایسے غریب آدمی سے ہوا جس کے پاس چادر وغیرہ نہیں تھی (کہ جس سے وہ بارش سے اپنا بدن بچاتا) اس دوران حضرت عمرؒ نے اس شخص کو اپنے پاس بٹھایا اور اپنی چادر کے زائد حصے سے اس کو ڈھانپ لیا۔

پھر حضرت عمرؒ نے جنازے کو کندھا دینا شروع کیا، آپ نے جنازے کی چارپائی کے دائیں طرف کو اپنے بائیں کندھے پر اٹھایا پھر چارپائی کے بائیں حصے کو اپنے دائیں کندھے پر اٹھایا پھر آپ جنازے کے آگے چلنے لگے اور لوگ جنازے کی چارپائی کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

جب میت کی تدفین ہوگئی تو آپ اس شخص کی قبر پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگے اور اپنی انگلی سے اشارہ کر کے دعا مانگنے لگے کہ:

"اللھم اغفر و ارحم و اعف عما تعلم."

"اے ہمارے پروردگار اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما اور اس کو ان تمام باتوں کو معاف فرما جو تیرے علم میں ہیں"۔

حکم بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؒ کو دیکھا کہ کبھی مسلمانوں کے اس حلقے میں بیٹھتے ہیں اور کبھی اس دوسرے حلقے میں بیٹھتے ہیں۔ بسا اوقات کوئی اجنبی آجاتا تو وہ حضرت عمرؒ کو نہ پہچان سکتا، وہ حلقے کے پاس کھڑا ہو جاتا اور پہچاننے کی کوشش کرتا مگر جب نہ پہچان سکتا تو لوگوں سے پوچھتا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ کس حلقہ میں ہیں؟ آخرکار اس کو اشارہ کر کے بتایا جاتا کہ "یہ ہیں امیر المومنین"۔[1]

مجھے خاک میں ملا کہ میری خاک بھی اڑا دے
تیرے نام پہ مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۷۳، ص ۱۷۴

(قصہ ۱۰۰) ﴿حضرت عمرؒ کا دو خارجیوں سے دلچسپ مکالمہ﴾

دو خارجی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس آئے ان دونوں نے ان الفاظ میں آپؒ کو سلام کیا: ''السلام علیک یا انسان''۔ اے انسان! تجھ پر سلامتی ہو۔

حضرت عمرؒ نے جواب دیا:

''وعلیکما السلام یا انسانان'' اے دو انسانوں! تم پر بھی سلامتی ہو۔

خارجی: اللہ کی اطاعت اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس کی اپنائیں۔

حضرت عمرؒ: جو اس بات سے جاہل رہا وہ گمراہ ہو گیا۔

خارجی: تمام اموال واسباب مالداروں کے پاس جمع نہیں ہونا چاہئے۔

حضرت عمرؒ: بلاشبہ وہ مالدار (اور ظالم) ان مال واسباب سے محروم کیے جا چکے ہیں۔

خارجی: اللہ کا مال اس کے (حقدار) بندوں میں تقسیم کیا جائے۔

حضرت عمرؒ: اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں تمام تر تفصیلات اپنی کتاب میں بیان فرما دی ہیں۔

خارجی: نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے۔

حضرت عمرؒ: ایسا کرنا نماز کے حقوق میں سے ہے۔

خارجی: نماز میں صفیں سیدھی رکھی جائیں۔

حضرت عمرؒ: یہ اہتمام سنت میں سے ہے۔

خارجی: ہمیں آپ کی طرف بھیجا گیا ہے۔

حضرت عمرؒ: تم بات پہنچاؤ، ڈراؤ نہیں۔

خارجی: لوگوں کے درمیان حق اور انصاف سے معاملہ کیجئے۔

حضرت عمرؒ: تم دونوں سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کا حکم دے چکے ہیں۔

خارجی: حکم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

حضرت عمرؒ: اگر تم اس کلمہ کے ساتھ باطل کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو تو یہ کلمہ برحق ہے۔

خارجی: امانتیں امانتداروں کے حوالے کیجئے۔

حضرت عمرؒ: وہی تو میرے مددگار ہیں۔

خارجی: خیانت سے بچو۔
حضرت عمرؒ: خیانت سے تو چور کو بچنا چاہیئے۔
خارجی: پھر شراب اور خنزیر کا گوشت......!
حضرت عمرؒ: اہلِ شرک اور غیر مسلم اس کے حقدار ہیں۔
خارجی: جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تو وہ امن والا ہو گیا۔
حضرت عمرؒ: اگر اسلام نہ ہوتا تو ہم امن والے نہ ہوتے۔
خارجی: رسول اللہ ﷺ کے عہد والے۔
حضرت عمرؒ: ان کے لیے ان کے عہود ہیں۔
خارجی: ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔
حضرت عمرؒ: اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"[1]
خارجی: یہود و نصاریٰ کی عبادتگاہوں کو تباہ کر دیجئے۔
حضرت عمرؒ: یہ تو میری رعایا کے ضرورت کی چیزیں ہیں۔
خارجی: ہمیں قرآن مجید سے نصیحت کیجئے۔
حضرت عمرؒ: "واتّقوا یوماً ترجعون فیه الی اللّٰه"[2]
"اس دن سے ڈرو جس دن تمہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا"۔
خارجی: ہمیں ان کی طرف واپس بھیج دیں جنہوں نے ہمیں بھیجا ہے۔
حضرت عمرؒ: میں نے تمہیں روکا ہی کب ہے۔
خارجی: آپ ہمارے بھائیوں کے متعلق کیا کہتے ہیں؟
حضرت عمرؒ: میں نے انہیں دیکھا ہی نہیں نہ ان کی بات سنی۔
خارجی: ہمیں برید کی سواریوں پر واپس بھیجئے۔
حضرت عمرؒ: یہ نہیں ہو سکتا، وہ اللہ کا مال ہے، جو میں تمہارے لئے جائز نہیں سمجھتا۔
خارجی: ہمارے پاس تو مال و اسباب نہیں ہے۔
حضرت عمرؒ: پھر تو تم دونوں مسافر ہو، لہٰذا تمہارا خرچہ میرے اوپر ہے۔[3]

---

[1] البقرہ/۲۸۶ [2] البقرہ/ ۲۸۱ [3] سیرۃ الخلفاء... عبدل ص ۱۶۷

(قصہ ۱۰۱) ﴿حضرت عمرؒ کا دو خارجیوں سے مناظرہ﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے محمد بن زبیر حنظلی کو عون بن عبداللہ بن مسعود کے ساتھ شوذب خارجی اور اس کے ہمنواؤں کے پاس بھیجا جبکہ وہ جزیرہ سے نکل کر علم بغاوت بلند کر چکے تھے۔ محمد بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؒ نے ہمیں ان کے لئے ایک خط بھی دیا۔ چنانچہ جب ہم ان کے پاس پہنچے اور حضرت عمرؒ کا خط اور پیغام انہیں پہنچایا تو انہوں نے ہمارے ساتھ دو آدمیوں کو روانہ کیا۔ ان میں سے ایک بنو شیبان کا رہنے والا تھا اور دوسرا حبشی تھا (تاریخ ابن اثیر کے مطابق اس کا نام ''عاصم'' تھا) اور وہ زبان کا بہت تیز اور دلیل و ثبوت میں بہت غالب آنیوالا تھا۔

چنانچہ ہم ان دونوں کو ساتھ لیکر حضرت عمرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؒ اس وقت ''خناصرة'' میں تھے۔ چنانچہ ہم آپ کے پاس کمرے میں گئے جس کمرے میں آپ کے ساتھ آپ کے فرزند ارجمند عبدالملک اور آپ کا کاتب مزاحم بھی تھا۔ ہم نے حضرت عمرؒ کو ان دونوں خارجیوں سے متعارف کرایا تو حضرت عمرؒ نے فرمایا: ان دونوں کی تلاشی لو کہیں ان کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ تو نہیں ہے اور پھر تلاشی و اطمینان کے بعد انہیں میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ ان حضرات نے ایسے ہی کیا۔ جب اطمینان ہوا تو ان کو حضرت عمرؒ کی خدمت میں پیش کیا وہ آئے اور انہوں نے حضرت عمرؒ کو سلام کیا۔ پھر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؒ نے ان سے کہا: تمہیں کس چیز نے بغاوت پر مجبور کیا ہے؟ اور تم ہم سے کس چیز کا انتقام لے رہے ہو؟ اور کس وجہ سے عیب لگا رہے ہو۔

چنانچہ حبشی (عاصم) بولا: اللہ کی قسم! ہم نے آپ کی سیرت و کردار کے بارے آپ کے خلاف بغاوت نہیں کی۔ کیونکہ آپ تو بلاشبہ عدل و احسان کو پھیلا رہے ہیں۔ لیکن ہمارے اور آپ کے درمیان ایک ایسا معاملہ ہے اگر آپ نے ہمیں وہ عطا کیا اور ہماری بات مانی تو آپ کا اور ہمارا گہرا تعلق ہوگا، اور اگر آپ نے ہمیں اسے منع کیا یعنی ہماری بات نہ مانی بلکہ ہماری مخالفت کی تو آپ کے اور ہمارے درمیان کوئی راہ و رسم نہیں ہے۔

حضرت عمرؒ نے فرمایا: وہ بات کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ اپنے خاندان اور اپنے اسلاف کے اعمال کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ ان کے طریقے کے علاوہ کسی اور طریقے پر عمل پیرا ہیں اور ان کے طریقے کو مظالم سے تعبیر کرتے ہیں۔ (یعنی بنوامیہ کے سرداروں نے جو ٹیکس کے طور پر مال جمع کرلیا تھا) لہٰذا اگر آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ ہدایت پر ہیں اور وہ گمراہی پر ہیں تو ان سے براءت کا اظہار فرمادیں، اور ان پر لعنت کریں، پس یہی بات ہے جو ہمیں اور آپ کو متحد کردے گی یا جدا کردے گی۔

حضرت عمرؒ نے بات کا آغاز فرمایا چنانچہ اوّلاً تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا کے بیان فرمائی پھر فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم لوگ دنیا کی طلب میں نہیں نکلے ہو، تمہارا مقصود آخرت ہی ہے مگر تم سے اس کا راستہ اپنانے میں خطا ہوگئی ہے۔ میں تم سے چند چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں تمہیں اللہ کی قسم ہے کہ تم اپنے علم کے مطابق صحیح اور سچ جواب دینا۔ انہوں نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے۔

چنانچہ حضرت عمرؒ نے ان سے سب سے پہلا سوال یہ پوچھا: تمہارا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کے متعلق کیا خیال ہے، کیا وہ تمہارے اسلاف میں سے نہیں تھے اور کیا وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کے لئے تم جنت کی گواہی دیتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں (یعنی آپ نے ٹھیک فرمایا ہے)۔ پھر حضرت عمرؒ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد عرب میں ارتداد کی لہر دوڑ گی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے قتال فرمایا، پس آپ نے ان کے خون کو بہایا، اور ان کی آل اولاد کو غلام بنایا، اور ان کے مال واسباب کو قبضہ میں لے لیا؟ انہوں نے جواب دیا: ایسے ہی ہوا ہے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا: کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ جب ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے ان قیدیوں کو جن کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قیدی بنایا تھا، ان کے قوم وقبیلہ کے حوالہ کردیا تھا۔ ان دونوں نے جواب دیا: بالکل ایسے ہی ہوا ہے۔

حضرت عمرؒ نے پوچھا: تو کیا حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے بری الذمہ ہوگئے تھے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے براءت کا اظہار کیا تھا۔ انہوں نے

جواب دیا: جی نہیں (ان دونوں حضرات نے آپس میں ایک دوسرے سے براءت کا اظہار نہیں کیا) حضرت عمرؒ نے فرمایا: کیا تم ان سے برأت کا اظہار کرتے ہو؟ خارجیوں نے جواب دیا: جی نہیں۔

حضرت عمرؒ نے کہا: مجھے اہل نروان کے متعلق بتاؤ کیا وہ تمہارے اسلاف میں سے نہیں تھے اور کیا تم ان کے لئے نجات کی گواہی نہیں دیتے؟! وہ بولے: کیوں نہیں (وہ ہمارے اسلاف ہیں اور ہم ان کے لئے نجات کی گواہی بھی دیتے ہیں)۔

حضرت عمرؒ نے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب اہل کوفہ نے اہل نہروان کی طرف خروج (بغاوت) کیا تو انہوں نے اپنے ہاتھوں کو ان پر ظلم کرنے سے روکا، نہ ان کا خون بہایا، اور نہ ان کے مالوں پر قبضہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا: ایسا ہی ہوا تھا۔

حضرت عمرؒ نے پوچھا: کیا تم جانتے کہ جب اہل بصرہ نے عبداللہ بن وھب راسبی کے ساتھ ان کی طرف خروج کیا (عبداللہ بن وھب راہبی قبیلہ ازد میں سے تھا اور فرقہ اباضیہ کے آئمہ میں سے تھا۔ یہ شخص صاحب الرائے اور فصیح و بلیغ ہونے کے ساتھ ساتھ بہادر آدمی تھا عبادت میں مشغول رہتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زمانے میں ان کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتا رہا ہے لیکن ''تحکیم'' کا واقعہ پیش کیا تو جس جماعت نے اس کا انکار کیا ان میں عبداللہ راہبی بھی شامل تھا پھر یہ لوگ نہروان میں جمع ہو گئے اس کو امیر بنایا اور پھر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور اس طرح راسبی سن ۳۸ھ میں مارا گیا)[1]

چنانچہ اہل بصرہ نے بے پرواہ ہو کر ان لوگوں کو قتل کیا اور حتی کہ صاحب النبی ﷺ حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کیا اور ان کی باندی اور حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بے دردی سے ان کو قتل کر دیا۔ (اس کے علاوہ قبیلہ طے کی کئی عورتوں کو بھی مار ڈالا)[2]

پھر انہوں نے عرب کے ایک قبیلہ جنہیں بنوقطیعۃ کہا جاتا تھا ان کے مردوں، عورتوں اور بوڑھوں کو (تحکیم قبول کرنے کی پاداش میں) بڑی بے دردی سے بے دریغ قتل کیا حتی

---

1. الاعلام ۴/۱۴۷، الکامل للمبرد ۲/۱۱۹ بحوالہ سیرۃ الخلیفۃ العادل عمر بن عبدالعزیزؒ: ابن عبدالحکم ص ۱۳۲

2. ابن اثیر (۳/۶ ۱۳)

کہ یہ لوگ ان کے معصوم بچوں کو ابلتی ہوئی گرم پنیر کی ہانڈی کے اندر زندہ ڈال دیتے تھے.........! دونوں خارجیوں نے جواب دیا: ایسا ہی ہوا ہے۔

پھر حضرت عمرؒ نے پوچھا: کیا (اس کے باوجود) اہل کوفہ نے اہل بصرہ سے یا اہل بصرہ نے اہل کوفہ سے برأت اور لاتعلقی کا اظہار کیا؟ انہوں نے جواب دیا؟ نہیں کیا۔ آپ نے پوچھا: کیا تم ان دونوں گروہوں میں سے کسی سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہو؟

انہوں نے یک زبان کہا: جی نہیں (ہم کسی سے اظہار لاتعلقی نہیں کرتے)۔

حضرت عمرؒ نے پوچھا: تم مجھے بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے: کیا ''دین'' ایک ہے یا دو ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: دین تو ایک ہی ہے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا: کیا تمہارے لئے گنجاش ہے کہ تم میری کسی بات کا انکار کرو؟ انہوں نے جواب دیا: جی نہیں۔ تو حضرت عمرؒ نے فرمایا کہ: پھر تمہارے لئے کیسے درست ہوسکتا ہے کہ تم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو راہنما اور محبوب مانو اور ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا مددگار اور ساتھی مانو کیونکہ ان دونوں کا (ذکر کیے گئے معاملہ میں) طریقۂ کار مختلف تھا، یا کیسے اہل کوفہ کے لئے درست ہے کہ وہ اہل بصرہ کو دوست بنائیں، اور کیسے اہل کوفہ اہل بصرہ کو دوست بنائیں؟ حالانکہ ان کا طریقہ کار مختلف تھا بلکہ ایک دوسرے کے مخالف تھا، اور تمہارے لیے یہ بات کیسے روا ہے کہ تم ان تمام لوگوں کو اپنا مقتدا مانو یا ان سے وابستگی کا اظہار کرو کیونکہ انہوں نے بہت بڑی بڑی چیزوں میں یعنی خون، خروج میں اور اموال میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے (تمہارے لئے ان سب سے تعلق وابستہ کرنا بالکل درست ہے......!) اور تمہارے گمان میں میرے لئے صرف ایک بات کی گنجائش ہے یا ایک بات کا اختیار ہے اور وہ صرف یہ کہ میں اپنے اہل بیت پر لعنت کروں اور ان سے لاتعلقی کا اور برأت کا اظہار کروں......؟

اگر گنہگاروں پر لعنت بھیجنا ایسا ہی لازمی فریضہ ہے جسے ہر حال میں پورا کرنا ضروری ہے، تو اے بات کرنے والے! تم مجھے بتاؤ، تم نے کتنی مرتبہ فرعون اور ہامان پر لعنت کی ہے۔

اس نے جواب دیا: مجھے تو معلوم نہیں کہ میں نے کب فرعون و ہامان پر لعنت کی ہے۔

حضرت عمرؒ نے فرمایا: تو برباد ہو! تیرے لئے اس بات کی اجازت ہے کہ تو فرعون پر لعنت

کرنا چھوڑ دے اور تیرے گمان کے مطابق میرے لئے ہر حال میں یہی ضروری اور لازمی ہے کہ میں اپنے اہلِ بیت پر لعنت کروں اور ان سے قطع تعلقی کا اعلان کروں، تم تباہ ہو جاؤ تم سب پرلے درجے کے جاہل لوگ ہو، تم نے ایک چیز کا ارادہ کیا اور اس میں بھی غلطی کھائی اور تمہیں اس میں بھی ٹھوکر لگی، تم ان لوگوں سے اس چیز کو قبول کر کے مان لیتے ہو جس کو رسول اللہ ﷺ نے ان سے قبول نہیں فرمایا تھا، اور جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے ان سے قبول فرمایا تھا تم اس کو رد کر دیتے ہو، تمہارے پاس آ کر وہ شخص امن یافتہ ہو جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس خوفزدہ ہوتا تھا، اور جو رسول اللہ ﷺ کے پاس امن یافتہ ہوتا تھا وہ تمہارے پاس آ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے (اور اس کے جان و مال کی حفاظت ختم ہو جاتی ہے)۔

انہوں نے جواب دیا: ہم تو ایسے نہیں ہیں۔ آپؒ نے فرمایا: تم نے ابھی ابھی خود ہی تو اس حقیقت کا اقرار کیا ہے (اور اب انکار بھی کرنے لگے ہو) کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو جن لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا وہ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعوت دی کہ بتوں کی عبادت چھوڑ کر، اس بات کی گواہی دو کہ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں''، چنانچہ جس شخص نے اس دعوت پر لبیک کہا (اور اسلام قبول کر لیا) تو اس کا خون محفوظ ہو گیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پناہ حاصل کی، اور وہ مسلمانوں میں شمار ہونے لگا، اور جس نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا تو اس سے جہاد کیا گیا؟

ان دونوں نے جواب دیا: بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔

حضرت عمرؒ نے پھر فرمایا: کیا تم آج ان لوگوں سے بے تعلقی کا اظہار اور اعلان نہیں کر رہے کہ جنہوں نے بتوں کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ان لوگوں میں شامل ہو گئے ہیں کہ ''جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں'' اب تم ان پر لعنت بھیجتے ہو، انہیں قتل کرتے ہو، اور تم نے ان کے خونوں کو اپنے اوپر حلال کر لیا ہے۔

اس کے برخلاف تم ان لوگوں سے بھی ملتے ہو جو ان تمام باتوں کا انکار کرتے ہیں (یعنی اسلام نہیں لاتے) جن کا تعلق یہود و نصاریٰ سے ہے پس تم ان کا خون بہانے کو حرام

سمجھتے ہو، وہ تمہارے پاس پناہ لیکر محفوظ ہو جاتے ہیں کیا ایسا نہیں ہے............؟

حضرت عمرؒ کی یہ ایمان افروز اور دندان شکن گفتگو سن کر حبشی (عاصم) بول اٹھا: ''میں نے آپ کی دلیل سے زیادہ واضح، روشن اور آپ کی بات سے زیادہ حق کے قریب کوئی بات نہیں دیکھی۔ میں تو ابھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی حق پر ہے، اور میں ہر اس شخص سے علیحدگی کا اعلان کرتا ہوں جو آپ کی مخالفت کرے''۔

پھر حضرت عمرؒ نے شیبانی سے کہا: تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟'' اس نے جواب دیا کہ آپ نے کیا یہی اچھی بات کی اور کیا اچھے انداز میں صورتحال بیان کی ہے لیکن میں مسلمانوں (خارجیوں) کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب نہیں کروں گا کہ جس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ ان کی اس کے متعلق کیا دلیل ہے (لہٰذا) میں ان سے ملوں گا شاید کہ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو جس کا علم مجھے نہ ہو۔

حضرت عمرؒ نے اس سے فرمایا: اچھا! تم اپنے بارے میں بہتر سمجھتے ہو!

چنانچہ حبشی حضرت عمرؒ کے پاس پندرہ راتیں ٹھہرا رہا پھر اللہ کو پیارا ہو گیا، اور شیبانی اپنی قوم (خوارج) سے جا ملا اور انہی کے ساتھ مارا گیا[1]

(قصہ ۱۰۲) ﴿وہ غم ہے کہ اب غم کا نشان کچھ بھی نہیں ہے﴾

عبدالسلام مولی مسلمہ بن عبدالملک بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؒ بیٹھے بیٹھے رونے لگے، (ان کو دیکھ کر) آپ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؒ بھی رونے لگیں، پھر دیکھتے ہی دیکھتے سارا گھر رونے لگا ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ سب کیوں رو رہے ہیں۔

جب ان پر سے یہ سختی کی کیفیت ختم ہوئی تو حضرت فاطمہؒ نے اپنے سرتاج سے عرض کیا: ''میرا باپ آپ پر قربان جائے اے امیرالمومنین! آپ کیوں روئے ہیں''۔

حضرت عمرؒ نے دلسوز لہجے میں جواب دیا: ''اے فاطمہ! مجھے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا یاد آ گیا تھا کہ جب ایک جماعت جنت میں جائے گی اور ایک جماعت

---

[1] سیرۃ الخلیفہ العادل لابن عبدالحکم ص ۱۳۰ تا ص ۱۳۴

جہنم کا ایندھن بن جائے گی''۔

حضرت عمرؒ نے اتنا کہا، آپ کے سینے سے ایک دردناک چیخ نکلی اور بیہوش ہو کر گر پڑے[۱]

اب نالہ و فریاد و فغاں کچھ بھی نہیں ہے
وہ غم ہے کہ اب غم کا نشاں کچھ بھی نہیں ہے

(قصہ ۱۰۳) ﴿تری تکلیف اے شمعِ سوزاں رات بھر کی ہے......!﴾

حضرت عمرؒ کے ایک غلام بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضرت عمرؒ روتے ہوئے اٹھے اور مسلسل روتے رہے حتیٰ کہ میں جاگ گیا۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؒ کے ساتھ رات گزارتا اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ میں ان کے بہت زیادہ رونے کی بناء پر سو نہ سکتا تھا اور آپ اکثر راتوں میں بہت زیادہ روتے تھے۔ چنانچہ ایک ایسی ہی رات تھی، جب صبح ہوئی تو آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا: ''اے بیٹے! اس میں کوئی خیر نہیں کہ تیری بات سنی جائے اور اس کو مان لیا جائے، خیر و فلاح تو صرف اس بات میں ہے کہ تو اپنے رب کو پہچان لے اور اس کی اطاعت میں لگ جائے۔ اے بیٹے! آج تم اس وقت تک کسی کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ دینا جب تک کہ صبح نہ ہو جائے اور پوری طرح دن نہ چڑھ جائے مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ کہیں لوگ میری اس حالت سے واقف نہ ہو جائیں''۔

غلام نے عرض کیا: ''اے امیر المومنین! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں! میں نے آپ کو آج رات بے تحاشا روتے ہوئے دیکھا حالانکہ میں نے آپ کو پہلے کبھی اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا''؟

غلام کے اس سوال کو سن کر پھر حضرت عمرؒ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور آپ زار و قطار رونے لگے، پھر کچھ دیر بعد آپ نے فرمایا: ''اے بیٹے اللہ کی قسم! مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب کے لئے کھڑے ہونے کا وقت یاد آ گیا تھا''۔

---

[۱] سیرۃ ابن جوزیہؒ ص ۱۸۱

یہ کہہ کر حضرت عمرؒ پر بیہوشی طاری ہوگئی اور دن چڑھنے تک آپ کو بیہوشی سے افاقہ نہ ہوا۔
غلام کہتا ہے کہ میں نے اس کے بعد آپ کو کبھی مسکراتے ہوئے بھی نہیں دیکھا یہاں تک کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی......!!

انہیں بھی دیکھ جن کی عمر گذری ہے سلگنے میں
تری تکلیف تو اے شمعِ سوزاں رات بھر کی ہے

(قصہ ۱۰۴) ﴿بذریعہ خواب جنت کی بشارت﴾

ابو حازم خناصری اسدی کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؒ کے زمانۂ خلافت میں جمعۃ المبارک میں دمشق گیا تو اس وقت لوگ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں جارہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اگر میں حضرت عمرؒ کے سواری سے اترنے کی جگہ پر گیا تو میری نماز فوت جائے گی اس لئے میں پہلے نماز ادا کرتا ہوں بعد میں ان سے ملاقات کرلوں گا۔ چنانچہ میں مسجد کے دروازے کی طرف چل پڑا، مسجد کے دروازے پر پہنچ کر میں نے اپنے اونٹ کو بٹھایا، اس کو رسی سے باندھا اور مسجد میں داخل ہوگیا اس وقت امیر المومنینؒ خطبہ دے رہے تھے۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو مجھے پہچان لیا اور آواز دی:

''اے ابو حازم! میری طرف آؤ!''

جب لوگوں نے امیر المومنین کی میرے لئے یہ ندا سنی تو انہوں نے مجھے راستہ دے دیا اور میں محراب کے قریب پہنچ گیا۔ جب امیر المومنینؒ خطبہ اور نماز سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا: اے ابو حازم! تم ہمارے شہر میں کب آئے ہو؟''

میں نے عرض کیا: 'ابھی ابھی پہنچا ہوں اور میرا اونٹ مسجد کے دروازے پر بندھا ہوا ہے'

''کیا آپ عمر بن عبدالعزیز ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: ہاں میں ہی عمر بن عبدالعزیز ہوں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! جب آپ خناصرہ میں عبدالملک بن مروان کی جانب سے وہاں کے امیر مقرر تھے، تو آپ کا چہرہ نہایت تروتازہ اور دنیاوی نعمتوں کے اثرات سے معمور تھا۔ آپ کا لباس نہایت صاف ستھرا تھا، آپ کی سواری نہایت عمدہ تھی، آپ کا کھانا

نہایت لذیذ اور اعلیٰ درجے کا تھا (یعنی ہر قسم کی نعمتیں آپ کے قدموں میں ڈھیر تھیں) اے امیرالمومنین! اب کس چیز نے آپ کی حالت بدل ڈالی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میں تم کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تم نے خناصرہ میں مجھے وہ حدیث نہیں سنائی تھی؟''

میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''تمہارے سامنے ایک گھاٹی ہے''۔

یہ سن کر حضرت امیر المومنینؒ اونچی آواز سے روئے یہاں تک کہ سسکیوں کی آواز آنے لگی، پھر کچھ دیر بعد اونچی آواز سے ہنسے یہاںتک کہ ان کے دانت بھی ہنسنے کی وجہ سے نظر آنے لگ گئے۔ لوگوں نے بھی آپس میں باتیں شروع کر دیں، میں نے ان سے کہا خاموش ہو جاؤ اور اپنی جگہوں پر آرام سے بیٹھے رہو امیر المومنین کے ساتھ کوئی غیر معمولی نوعیت کا واقعہ پیش آیا ہے۔

ابو حازمؒ کہتے ہیں کہ جب امیر المومنین کو بیہوشی سے افاقہ ہوا تو لوگ آپ کی بات سننے کے لیے بے تاب تھے۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! ہم نے آپ سے عجیب و غریب بات دیکھی ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے مجھے میری اس حالت و کیفیت میں دیکھا ہے؟ ہم نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: جب میں تمہارے درمیان موجود باتیں کر رہا تھا تو میرے اوپر مدہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی تھی تو اسی عالم میں میں نے دیکھا کہ:

قیامت قائم ہو چکی ہے اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو چکی ہیں لوگوں کی اک سو بیس صفیں میدان حشر میں قائم ہیں جن میں سے امت محمدیہ (علی صاحبھا الصلوۃ و السلام) کی امت کی اسّی صفیں تھیں باقی امتوں کی چالیس صفیں تھیں۔ چنانچہ جب کرسی رکھی گئی، ترازو لگا دیا گیا، اور اعمال نامے تقسیم کر دیئے گئے، پھر ایک اعلان کرنیوالے نے اعلان کیا:

''عبداللہ بن ابو قحافہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہاں ہیں؟ چنانچہ بڑی عمر کے ایک شخص جو بالوں پر مہندی کا خضاب لگائے ہوئے تھے سامنے آئے اور فرشتوں نے انہیں سہارا دے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا گیا، ان سے آسان سا حساب لیا گیا پھر ان کو

جنت کے دائیں جانب جانے کا حکم دے دیا گیا''۔

پھر ایک نداء لگانے والے نے نداء لگائی:

''عمر بن خطاب کہاں ہیں؟ چنانچہ ایک بڑی عمر کے شخص طویل القامت، مہندی کا خضاب لگائے ہوئے حاضر ہوئے اور فرشتوں نے انہیں بھی سہارا دے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا، چنانچہ ان سے بھی برائے نام حساب لیا گیا اور ان کو بھی جنت کے دائیں جانب داخل ہونے کا حکم دے دیا گیا''۔

پھر ایک صدا لگانے والے کی صدا گونجی: ''کہاں ہیں عثمان بن عفان؟ چنانچہ زرد رنگ کی داڑھی والی ایک بزرگ شخصیت ظاہر ہوئی فرشتوں نے انہیں بھی سہارا دے کر اللہ کے سامنے کھڑا کر دیا ان سے بھی آسان حساب لیا گیا اور ان کے لئے بھی جنت کے دائیں جانب میں داخلے کا حکم دے دیا گیا''۔

پھر ایک پکارنے والے نے پکارا: ''علی بن طالب کہاں ہیں؟ چنانچہ ایک ذی وجاہت شخصیت جن کے سر کے بال سفید تھے اور پنڈیاں پتلی تھیں ظاہر ہوئی اور فرشتوں نے انہیں بھی پکڑ کر اللہ کے سامنے پیش کر دیا ان سے بھی آسان حساب لیا گیا اور پھر جنت کے دائیں جانب داخلے کا حکم دے دیا گیا''۔

حضرت عمرؒ فرماتے ہیں کہ: جب میں نے دیکھا کہ میرے معاملے کا وقت قریب آ گیا ہے تو میں گھبرانے لگا اور سوچنے لگا کہ پتہ نہیں جو شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آئے گا اس کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق کیا فیصلہ فرمائیں گے؟ اسی اثناء میں پھر ایک منادی کی نداء فضا میں گونجی:

''عمر بن عبدالعزیز کہاں ہیں''؟ میں گھبراہٹ کے عالم میں اٹھا مگر منہ کے بل گر پڑا، میں نے پھر اٹھنے کی کوشش کی مگر پھر چہرے کے بل گر گیا اسی طرح تیسری مرتبہ بھی کھڑے ہونے کی کوشش میں گر پڑا، چنانچہ دو فرشتے آئے اور انہوں نے مجھے پکڑ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ''نقیہ، قطمیر اور فتیل'' کے متعلق پوچھا اور میرے ہر اس فیصلے کے متعلق مجھ سے پوچھا جو میں نے کیا تھا حتی کہ مجھے یہ خیال دامن گیر ہونے لگا

آج میری نجات نہیں ہو سکتی.......... پھر میرے رب نے مجھ پر فضل فرمایا اور اپنی رحمت کا چھینٹا میرے اوپر بھی برسادیا اور مجھے جنت کے دائیں جانب داخل ہونے کا حکم دے دیا''۔

چنانچہ جب میں دو فرشتوں کے ساتھ ساتھ اپنی منزل کی طرف جارہا تھا تو راستے میں، میں نے ریت پر ایک مردار چیز کو پڑے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا یہ مردہ چیز کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ خود اس کے قریب ہو کر اس پوچھ لیں، چنانچہ میں اس کے قریب ہوا اور اپنے پاؤں سے زمین کو تھوڑا سا کریدا اور اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں عمر بن عبدالعزیز ہوں۔ اس نے مجھ سے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا اور تمہارے ساتھیوں کا کیا بنا؟ میں نے کہا: ان چاروں حضرات کو تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے دائیں جانب داخلے کا حکم دے دیا تھا پھر ان کے بعد مجھے علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعد آنیوالے کے بارے میں کیا حکم صادر فرمائیں گے؟ اس نے کہا: اللہ نے تمہارے متعلق کیا فیصلہ فرمایا ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا اور مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا اور میرے لئے جنت کے دائیں جانب داخلے کا حکم فرمادیا۔

پھر میں نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا: میں حجاج بن یوسف ثقفی ہوں۔ میں نے پوچھا: اے حجاج! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا فیصلہ فرمایا؟ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے میرے متعلق نہایت سخت اور شدید فیصلہ فرمایا ہے اور میں نے جتنے انسانوں کو قتل کیا تھا تو ہر ہر مقتول کے بدلے میں مجھے بھی بار بار قتل کیا گیا اور اب میری یہ حالت ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے فیصلے کا منتظر ہوں جس فیصلے کا انتظار ہر موحد کو ہوتا ہے کہ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف جانے کا حکم ملتا ہے''۔

ابو حازم کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے خواب کے بعد مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اس امت محمدیہ ﷺ میں کسی مسلمان (موحد) کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل نہیں فرمائیں گے۔[1]

---

[1] سیرت ابن جوزیہ ص ۲۴۲ تا ص ۲۴۴

(قصہ ۱۰۵) ﴿خلافتِ عمرؒ اور بشارتِ خضرؑ﴾

ایک رات حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنی سواری پر سوار ہو کر تنہا باہر نکلے۔ آپ کے پیچھے پیچھے مزاحم بھی چلے گئے۔ حضرت عمرؒ آگے آگے چل رہے تھے۔

اچانک مزاحم نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنا ہاتھ حضرت عمرؒ کے کندھے پر رکھا ہوا ہے، مزاحم کو خیال گزرا کہ یہ شخص تو بڑی اَن دیکھی اور عجیب حالات و علامات والا لگتا ہے یہ کون ہوسکتا ہے؟ چنانچہ اس تشویش کی بناء پر مزاحم تیزی سے چلے کہ حضرت عمرؒ سے جاملیں۔ جب مزاحم حضرت عمرؒ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ حضرت عمرؒ تو اکیلے ہی ہیں اور آپؒ کے ساتھ دوسرا کوئی شخص نہیں ہے۔

انہوں نے حضرت عمرؒ سے عرض کیا: میں نے ابھی ابھی ایک آدمی کو آپؒ کے ساتھ دیکھا تھا، جس نے آپ کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کوئی غیر معمولی آدمی لگتا ہے یہ کون ہوسکتا ہے؟ اب جب میں آپ کے پاس پہنچا ہوں تو وہ آدمی یہاں نہیں ہے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا: کیا تم نے اس آدمی کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: تب تو میں تمہیں ایک نیک اور مبارک آدمی سمجھتا ہوں (کہ تم نے ان کی زیارت کرلی ہے) آپ نے فرمایا: ''اے مزاحم! وہ حضرت خضر تھے۔ انہوں نے مجھے خلافت ملنے اور اس معاملے میں میری مدد کیے جانے کی بشارت سنائی ہے''[1]

(قصہ ۱۰۶) ﴿حضرت عمرؒ کی عظمت کا راز﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے انتقال کے بعد فقہاء اور علماء آپ کی اہلیہ حضرت فاطمہؒ کے پاس تعزیت کے لئے آئے تو انہوں نے آپؒ سے حضرت عمرؒ کی عبادت کے بارے میں پوچھا تو آپؒ کی اہلیہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! وہ آپ حضرات اور دیگر مسلمانوں سے زیادہ عبادت

---

[1] سیرۃ الخلیفہ العادل لابن عبدالحکم ص ۳۹، ۴۰

گذار، نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے نہ تھے......
البتہ ایک بات ضرور ہے وہ یہ کہ اللہ کی قسم! میں نے حضرت عمرؒ سے بڑھ کر کسی کو اللہ سے ڈرنے والا نہیں دیکھا، وہ اپنے بستر پر ہوتے اور اللہ کو یاد کرتے تو وہ اللہ کے خوف کی وجہ سے ایسے تڑپتے جیسے ایک پرندہ پھڑ پھڑاتا اور تڑپتا ہے (جو پانی میں گر گیا ہو) آپ کی یہی کیفیت رہتی حتی کہ ہم یقین کر لیتے کہ جب لوگ صبح کریں گے تو وہ اپنے خلیفہ کو زندہ نہیں دیکھ سکیں گے۔"[1]

"انَّ اکرمکم عند الله اتقکم"[2]

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مرتبے والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے"

خدا کے خوف ہی پر منحصر ہے امن عالم کا
یہ ہے شیرازۂ ہستی، اسے برہم نہ ہونے دو

(قصہ ۱۰۷) ﴿امامِ عادل کی صفات﴾

زمام خلافت جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو سپرد کی گئی تو انہوں نے حضرت حسن ابن ابوحسن بصریؒ کو خط لکھا کہ ان کے لئے "امامِ عادل کی صفات اور اوصاف" لکھ کر بھیج دیں چنانچہ حضرت حسنؒ نے مندرجہ ذیل اوصاف لکھ کر بھیجے جن کی بناء پر کوئی امام اور حکمران امامِ عادل شمار ہو سکتا ہے:

"امیر المومنین! آپ اتنا جان لیجئے کہ امامِ عادل کو اللہ تعالیٰ نے ہر کجی کی طرف مائل ہونے والے کو سیدھا کر دینے والا بنایا ہے اور ہر ظالم کو ٹھیک کر دینے والا بنایا ہے، اور ہر فاسد کے لئے صلاح، ہر ضعیف کے لئے خوف، ہر مظلوم کے لئے انصاف اور ہر غمزدہ اور

[1] سیرۃ الخلیفہ العادل لابن عبدالحکم ص ۵۸ [2] الحجرات /۱۳

پریشان کے لئے ٹھکانہ بنایا ہے۔ اور اے امیر المومنین! منصف امام اس مشفق نگراں کی طرح ہوتا ہے جو اپنے اونٹوں کے ساتھ شفقت اور نرمی کا معاملہ کرتا ہے اور ان کے لئے بہترین چراگاہ تلاش کرتا ہے اور انہیں ہلاکت و بربادی میں ڈالنے والے چارے (غذا) سے اور درندوں سے بچاتا ہے اور گرمی و سردی کی تکلیف سے الگ رکھتا ہے، اے امیر المومنین! منصف امام اس مشفق باپ کی طرح ہے جو اپنی اولاد کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرتا ہے ان کے بچپن میں ان کے لئے محنت وکوشش کرتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے اور ان کے بڑے ہونے تک زندگی بھران کے لیے کماتا ہے اور اپنے مرنے کے بعدان کے لیے ذخیرہ چھوڑ جاتا ہے۔ اے امیر المومنین! امامِ عادل اس شفیق ماں کی طرح ہوتا ہے جس نے بڑی تکلیف کے ساتھ اپنے بچے کو پیٹ کے اندر رکھا اور اس کو تکلیف کے ساتھ جنا، اور اس کو بچپن سے اس طرح پالتی ہے کہ اس کے بیدار رہنے کی وجہ سے خود بھی بیدار رہتی ہے اور اس کے سکون ہی سے وہ سکون پاتی ہے کبھی اس کو دودھ پلاتی ہے اور کبھی دودھ چھڑاتی ہے اس کی عافیت سے خوش ہوتی ہے اور بیماری سے غمزدہ ہو جاتی ہے۔

اور منصِف امام یتیموں کا نگراں ہے، غریبوں کے لئے ذخیرہ کرنیوالا ہے چھوٹوں کی پرورش کرتا ہے اور بڑوں کے لئے نان ونفقہ کا بوجھ برداشت کرتا ہے، اور منصف امام پسلیوں کے درمیان دل کے مانند ہے تمام اعضاء اس دل کے ٹھیک رہنے سے ٹھیک رہتے ہیں اور اس کے بگڑنے سے بگڑ جاتے ہیں اور منصف امام قائم بین اللہ و بین العباد ہوتا ہے خدا کا کلام خود سنتا ہے اور بندوں کو سناتا ہے اللہ کو دیکھتا ہے اور بندوں کو دکھلاتا ہے وہ اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے اور بندوں کو

اس کی فرمانبرداری کی طرف لاتا ہے۔

امیر المومنین ان چیزوں میں جن کا اللہ نے آپ کو مالک بنایا ہے اس غلام کے مانند نہ ہو جائیں کہ جس کو اس کے مالک نے امانتدار سمجھ کر اپنے مال کی حفاظت چاہی اور اس نے مال کو تباہ کر دیا اور اہل وعیال کو دھتکار دیا نتیجۃً اس کے گھر والوں کو فقیر محتاج بنا دیا اور اس کے مال کو منتشر کر دیا۔ اور اے امیر المومنین! جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے خباثت سے اور خواہشات سے روکنے کے لئے حدود نازل کئے ہیں تو خدا اس حاکم کو کیوں عذاب نہیں دے گا جو حاکم ان برائیوں کو کرنے لگے۔ اللہ نے قصاص کو اپنے بندوں کے لئے باعثِ حیات بنا کر نازل کیا، تو کیا حال ہو گا جب ان کو وہی شخص قتل کر گیا جو ان کے لئے قصاص لینے والا ہو۔

اے امیر المومنین! موت کے بعد بہت بڑی گھبراہٹ سے بچنے کے لئے موت کو یاد کیجئے۔ اور اے امیر المومنین! جس گھر میں آپ اب ہیں اس کے علاوہ آپ کے لئے ایک گھر اور ہے جس میں آپ کو طویل مدت تک رہنا ہے آپ کو ایک گڑھے میں اکیلا ڈال کر آپ کے دوست واحباب علیحدہ ہو جائیں گے۔ آپ تو اب اس سامان کو تیار کریں جو اس دن آپ کے ساتھ رہنے والا ہو جس دن ہر شخص الگ ہو جائے گا، اپنے بھائی، ماں باپ بیوی اور بچوں میں سے کوئی آپ کے ساتھ نہ رہے گا۔ اور وہ گھڑی یاد کیجئے جب مردوں کو قبروں سے زندہ کیا جائے گا اور ظاہر کر دیا جائے گا جب دلوں میں پوشیدہ چیزیں ظاہر ہو جائیں گی اور نامۂ اعمال چھوٹے بڑے کسی گناہ کو نہ چھوڑے گا۔ اے امیر المومنین! امید ختم ہونے سے اور موت آنے سے پہلے نرمی کیجئے اور رعایا کے ساتھ خلافِ شرع اور ظالمانہ سلوک

نہ کیجئے اور قوی لوگوں کو ضعیفوں پر مسلط نہ کیجئے چونکہ وہ کسی مسلمان کے حق میں نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا ورنہ آپ پر آپ کے سرداروں کے گناہوں کا وبال بھی ہوگا اور آپ کو اپنے بوجھ کے ساتھ اوروں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا آپ ان چیزوں کے دھوکہ میں نہ آیئے جن چیزوں سے وہ راحت کی زندگی گذارتے ہیں ان میں آپ کا نقصان ہے۔

ایسے لوگوں کے دھوکہ میں نہ آیئے جو دنیا میں مزے سے رہتے ہیں۔ اور آپ اپنی اخروی لذتوں کو تباہ کر کے آج اپنی طاقت کو نہ دیکھئے بلکہ کل کی اپنی طاقت کو دیکھئے جب آپ موت کے جال میں پھنسے اور گرفتار ہوں گے اور آپ کو اللہ کے سامنے ملائکہ، انبیاء اور رسولوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور جب ''حی قیوم'' ذات کے سامنے چہرے چھپ جائیں گے۔

اور اے امیر المومنین! اگر چہ میں اپنی نصیحت کے ذریعہ اس مقام کو نہیں پہنچ سکتا جہاں تک اربابِ عقل و دانش پہنچے ہیں۔ اس سے پہلے تو میں نے آپ کے ساتھ شفقت اور خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کی لہٰذا آپ میرے خط کو اپنے دوست کے علاج کی طرح سمجھئے کہ جیسے وہ اپنے قریبی دوست کو کڑوی دوائیں اس لئے پلاتا ہے کیونکہ وہ اس کے لئے ان دواؤں میں صحت و عافیت کی امید رکھتا ہے۔

اے امیر المومنین! آپ پر اللہ کی سلامتی اور رحمت و برکت نازل ہو۔[1]

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین.

مراجع ومصادر

۱ الخلیفۃ العادل عمر بن عبدالعزیزؒ لابی محمد عبداللہ بن عبدالحکمؒ
۲ البدایہ والنہایہ لامام ابن کثیر
۳ طبقات ابن سعد لابی عبداللہ محمد ابن سعد
۴ سیراعلام النبلاء لعلامہ شمس الدین محمد الذھبیؒ
۵ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ لامام ابن جوزیہؒ
۶ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ حکیم محمود ظفر

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ

کے

سو قصے

مؤلف

مولانا شعیب سرور

بیت العُلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

دیگر شہروں میں بیت العلوم کے اسٹاکسٹ

﴿ملتان﴾	﴿کراچی﴾	﴿راولپنڈی﴾
بخاری اکیڈمی مہربان کالونی ملتان	ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی	الخلیل پبلشنگ ہاؤس راولپنڈی
کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	بیت القلم گلشن اقبال کراچی	﴿اسلام آباد﴾
بیکن بکس گلگشت کالونی ملتان	کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی	مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد
کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان	دار القرآن اردو بازار کراچی	المسعود بکس F-8 مرکز اسلام آباد
فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	مرکز القرآن اردو بازار کراچی	سعید بک بینک F-7 مرکز اسلام آباد
اسلامی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	عباسی کتب خانہ اردو بازار کراچی	پیر بک سنٹر آبپارہ مارکیٹ اسلام آباد
دار الحدیث بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	ادارۃ الانوار بنوری ٹاؤن کراچی	﴿پشاور﴾
﴿ڈیرہ غازی خان﴾	علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی	یونیورسٹی بک ڈپو خیبر بازار پشاور
مکتبہ زکریا بلاک نمبر۱۰ ڈیرہ غازی خان	﴿کوئٹہ﴾	مکتبہ سرحد خیبر بازار پشاور
﴿بہاول پور﴾	مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ	لندن بک کمپنی صدر بازار پشاور
کتابستان شاہی بازار بہاولپور	﴿سرگودھا﴾	﴿سیالکوٹ﴾
بیت الکتب سرائیکی چوک بہاولپور	مکتبہ سراجیہ چوک سٹیلائیٹ ٹاؤن سرگودھا	بنگش بک ڈپو اردو بازار سیالکوٹ
﴿سکھر﴾	﴿گوجرانوالہ﴾	﴿اکوڑہ خٹک﴾
کتاب مرکز فریئر روڈ سکھر	والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ	مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
﴿حیدر آباد﴾	مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ	مکتبہ رحیمیہ اکوڑہ خٹک
بیت القرآن چھوٹی گٹی حیدر آباد	﴿راولپنڈی﴾	﴿فیصل آباد﴾
حاجی امداد اللہ اکیڈمی جیل روڈ حیدر آباد	کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی	مکتبہ العارفی ستیانہ روڈ فیصل آباد
امداد الغرباء کورٹ روڈ حیدر آباد	فیڈرل لاء ہاؤس چاندنی چوک راولپنڈی	ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد
بھٹائی بک ڈپو کورٹ روڈ حیدر آباد	اسلامی کتاب گھر خیابان سرسید راولپنڈی	مکتبہ اہلحدیث امین پور بازار فیصل آباد
﴿کراچی﴾	ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی	اقراء بک ڈپو امین پور بازار فیصل آباد
ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی	علی بک شاپ اقبال روڈ راولپنڈی	مکتبہ قاسمیہ امین پور بازار فیصل آباد